جولائی-ستمبر ۲۰۲۳ء
ISSN: 2321-8339

مؤسس: مولانا سید جلال الدین عمریؒ

ادارہ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

# تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کی

# اہم مطبوعات

| | | |
|---|---|---|
| معرکۂ اسلام وجاہلیت | مولانا صدرالدین اصلاحی | 110.00 |
| اسلام۔ایک نجات دہندہ تحریک | مولانا سلطان احمد اصلاحی | 90.00 |
| عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلام کی رہ نمائی | مولانا سلطان احمد اصلاحی | 125.00 |
| عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل | مولانا سلطان احمد اصلاحی | 80.00 |
| اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام | ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی | 140.00 |
| قرآن، اہل کتاب اور مسلمان | ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی | 70.00 |
| گھریلو تشدّد اور اسلام | ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی | 30.00 |
| حقائق، اسلام۔بعض اعتراضات کا جائزہ | ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی | 56.00 |
| حضرت ابراہیم۔امامِ انسانیت | ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی | 85.00 |
| ہم جنسیت کا فتنہ | ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی | 28.00 |
| احیائے اسلام: مفہوم۔مسایل، تقاضے | مولانا محمد جرجیس کریمی | 85.00 |
| جرائم اور اسلام | مولانا محمد جرجیس کریمی | 85.00 |
| قرآن مجید اور مستشرقین | مولانا محمد جرجیس کریمی | 72.00 |
| اتحادِ امت کا مسئلہ: چند اہم گوشے | مولانا محمد جرجیس کریمی | 34.00 |
| اسلام کی امتیازی خصوصیات | مولانا محمد جرجیس کریمی | 100.00 |
| سیرتِ نبوی پر اعتراضات کا جائزہ | ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی | 130.00 |
| ملت اسلامیہ کے اختلافات | مولانا ضمیر الحسن فلاحی | 65.00 |
| قیامِ امن اور اسلام | مولانا کمال اختر قاسمی | 100.00 |

ملنے کے پتے:

**ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی**
نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔۲

**مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز**
D-307، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔۲۵

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

# تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

جولائی ——— ستمبر ۲۰۲۳ء

مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی


مجلس ادارت

۱۔ مولانا محمد فاروق خاں، سابق صدر ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

۲۔ پروفیسر اشتیاق احمد ظلّی، سابق ناظم دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ

۳۔ پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی، ڈین فیکلٹی آف تھیالوجی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

۴۔ پروفیسر اسرار احمد خاں، شعبۂ تفسیر، انقرہ یونی ورسٹی (ترکی)

۵۔ ڈاکٹر محمد اکرم ندوی، ڈین کیمبرج اسلامک کالج (برطانیہ)

۶۔ مولانا اشہد جمال ندوی، سکریٹری ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی علی گڑھ



ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

ISSN: 2321-8339

سہ ماہی **تحقیقات اسلامی** علی گڑھ

جلد: ۴۲ ——— شمارہ: ۳

ذی الحجہ ۱۴۴۴ھ ——— صفر ۱۴۴۵ھ

جولائی ——— ستمبر ۲۰۲۳ء

## زرِ تعاون

**اندرونِ ملک**

| | |
|---|---|
| فی شمارہ | ۷۵/روپے |
| سالانہ | ۳۰۰/روپے |
| پانچ سال کے لیے | ۱۲۰۰/روپے |
| سالانہ (لائبریریاں واداراے) | ۴۰۰/روپے |

**بیرونِ ملک**

| | |
|---|---|
| سالانہ (انفرادی) | ۱۰۰۰/روپے |
| سالانہ (ادارے) | ۱۵۰۰/روپے |

**ایجنسی کمیشن**

| | |
|---|---|
| ۵ سے ۲۰ کاپیوں تک | 25% |
| ۲۰ سے زائد کاپیوں پر | 30% |

ڈاک خرچ بذمہ ادارہ

**ویب سائٹ**
www.tahqeeqat.net

**برائے ادارتی امور**

**ای میل:**
tahqeeqat@gmail.com
mrnadvi@gmail.com

**موبائل/واٹس ایپ:**
+91-9582050234

**برائے انتظامی امور**

**ای میل:**
idaratahqeeq2016@gmail.com

**موبائل/واٹس ایپ:**
+91-9897746586
+91-7786808467

**اکاؤنٹ:**
Tahqeeqat-e-Islami,
Union Bank of India
Muslim University, Branch
**A/C.No.** 452201010029001,
**IFSC:** UBIN0545228

طابع وناشر اشہد جمال ندوی نے بھارت آفیسٹ، نئی دہلی سے چھپوا کر
ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا۔

# فہرست مضامین


**حرف آغاز**

| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| استحکام خاندان کی تدابیر قرآن وحدیث کی روشنی میں | محمد رضی الاسلام ندوی | ۵ |

**قرآنیات**

| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| مولانا غلام رسول سعیدی کا ترجمۂ قرآن اور ہم مسلک تراجم سے اس کا تقابل | ڈاکٹر شاکر حسین خاں | ۲۵ |

**مطالعۂ مذاہب**

| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| بائبل اور قرآن میں قربانی کا تصور | پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی | ۴۵ |

**تحریکات**

| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| جماعت اسلامی اور اخوان المسلمون ہم آہنگی اور اختلاف کے پہلوؤں کا جائزہ | پروفیسر عبید اللہ فہد فلاحی | ۶۱ |

**اسلامیات**

| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| رفاہِ عامہ اور اسلام | ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی | ۹۳ |

**سیر وسوانح**

| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ کی خدمات | مولانا سید جلال الدین عمریؒ | ۱۰۷ |

**تعارف وتبصرہ**

| عنوان | مصنف | صفحہ |
|---|---|---|
| خطباتِ شبلی (نو دریافت) | مولانا عبد الحی اثری | ۱۱۲ |
| علمائے کشمیر کی دینی وعلمی خدمات | مولانا محمد صادر ندوی | ۱۱۴ |
| بزمِ رفتہ (وفیاتی تحریریں) | مولانا محمد انس مدنی | ۱۱۶ |
| **خبرنامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۸۸)** | ادارہ | ۱۱۸ |
| مضامین کا انگریزی خلاصہ | | ۱۲۱ - ۱۲۸ |

# اس شمارے کے لکھنے والے


۱- ڈاکٹر شاکر حسین خاں

شعبۂ علوم اسلامی، جامعہ کراچی، کراچی (پاکستان)

shakirhussaink24@gmail.com

۲- پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی

ڈین، فیکلٹی آف تھیالوجی، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

alamsaud@yahoo.com

۳- پروفیسر عبید اللہ فہد فلاحی

شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ، مسلم یونی ورسٹی، علی گڑھ

drfahadamu@gmail.com

۴- ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی

علی گڑھ

zafardarik85@gmail.com

۵- مولانا سید جلال الدین عمریؒ

سابق صدر ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی علی گڑھ

۶- مولانا عبدالحی اثری

کارکن مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی

makkiabdulhai@gmail.com

۷- مولانا محمد صادر ندوی

اسکالر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

sadirnadwi@gmail.com

۸- مولانا محمد انس مدنی

رکن ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

anasfalahi@gmail.com

۹- محمد رضی الاسلام ندوی

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ

mrnadvi@gmail.com

## حرفِ آغاز

# استحکامِ خاندان کی تدابیر
## قرآن وحدیث کی روشنی میں

—————— محمد رضی الاسلام ندوی

''اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی پاکستان کا ایک مؤقر علمی ادارہ ہے، جو عصری مسائل میں اسلام کی رہ نمائی پیش کرنے کے لیے مختلف سرگرمیاں انجام دیتا ہے۔ کتابوں کی اشاعت اور جرنل کے اجرا کے علاوہ اہم ایشوز پر وقتاً فوقتاً سمینار اور سمپوزیم منعقد کرتا ہے۔ ۲۰رمئی ۲۰۲۳ء کو اس کی جانب سے 'استحکامِ خاندان' کے مرکزی عنوان پر ایک سمینار کا انعقاد ہوا تھا، جس میں راقم سطور کو آن لائن خطاب کرنے کا موقع ملا۔ اسے ضبط تحریر میں لانے اور اس پر نظر ثانی کے بعد یہاں پیش کیا جارہا ہے۔'' [مدیر]

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم.

محترم خواتین وحضرات!

میں اسے اپنے لیے سعادت سمجھتا ہوں کہ اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی کی جانب سے منعقدہ 'استحکامِ خاندان سمینار' میں شرکت کرنے اور اس کے واسطے سے کچھ معروضات پیش کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ اسلامک ریسرچ اکیڈمی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا قائم کردہ ادارہ ہے، جو عصری مسائل کا حل اسلام کی روشنی میں پیش کرتا ہے۔ ۲۰۱۱ء میں اپنے استاذ محترم مرحوم مولانا سید جلال الدین عمریؒ کی رفاقت میں مجھے اکیڈمی میں حاضری کا موقع حاصل ہوا تھا۔ اس کے علاوہ میرے لیے شرف کی بات ہے کہ میری بعض تصانیف اکیڈمی کی جانب سے شائع ہوئی ہیں۔ میں اکیڈمی کے ذمہ داروں کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس سمینار میں اظہارِ خیال کے لیے مجھے مدعو کیا۔

## خاندان کا انکار۔ موجودہ دور کا اہم ترین مسئلہ

موجودہ دور میں عالمی سطح پر مسلمان جن مسائل سے دوچار ہیں، اگر ہم ان کا شمار کریں تو جو چند اہم مسائل سرفہرست نظر آئیں گے ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ عالمی سطح پر خاندان کا انکار کیا جارہا ہے۔ ایسے تصورات پیش کیے جارہے ہیں جن سے خاندان کی نفی ہوتی ہے، جب کہ اسلام، جس کے ہم پیروکار ہیں، خاندان کا علَم بردار ہے، اس لیے ہماری ذمہ داری ہے کہ خاندان کی اہمیت، اس کی ضرورت اور انسانی فطرت سے اس کی ہم آہنگی انسانوں کے سامنے واضح کریں اور خاندان کا شیرازہ منتشر کرنے کی عالمی سطح پر جو سازشیں ہورہی ہیں ان کا مقابلہ کریں۔

## جنس کے بارے میں منحرف رویّے

ہر انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے جنس (Sex) کا جذبہ ودیعت کیا ہے۔ عمر کے ایک خاص مرحلے تک پہنچ کر، کوئی نوجوان، لڑکا ہو یا لڑکی، صنفِ مخالف کی طرف کشش محسوس کرتا ہے۔ اس تعلق سے انسانی تاریخ میں دو رویّے اختیار کیے گئے ہیں، جو افراط وتفریط پر مبنی ہیں۔ ایک رویّہ یہ کہ جنسی جذبہ کو دبانا اور کچلنا انسان کی معراج ہے۔ اس کی نجات اسی صورت میں ہوسکتی ہے جب وہ اس جذبہ کو دبائے اور کچلے۔ اس تصور نے رہبانیت کو جنم دیا ہے۔ اس کے مظاہر ہمیں راہبوں اور ہندو جوگیوں میں نظر آتے ہیں۔ لیکن تاریخ کی گواہی ہے کہ اس جذبہ کو دبانا اور کچلنا کسی کے لیے ممکن نہیں رہا ہے۔ جن لوگوں نے اس کی کوشش کی ہے، فطرت نے ان سے زبردست انتقام لیا ہے۔ دوسرا رویّہ یہ ہے کہ جنسی جذبہ کی تسکین کے لیے کھلی چھوٹ ملنی چاہیے۔ آدمی جس طرح چاہے، اس کی تسکین کرسکتا ہے۔ اس چیز نے اباحیت کا دروازہ چوپٹ کھول دیا ہے۔ اس رویّے پر مبنی متعدد تصوّرات پیدا ہوئے ہیں، جو بہ ظاہر بہت خوب صورت نعروں کی شکل میں پیش کیے گئے ہیں، لیکن یہ تمام تصورات خاندان کے انکار پر مبنی ہیں۔ چاہے یہ Homosexulity کا تصور ہو، یعنی مرد کا مرد سے جنسی تسکین حاصل کرنا، یا

Lebianism کا تصور ہو، یعنی عورت کا عورت سے جنسی تسکین حاصل کرنا، یا Live in Relationship کا تصور ہو، یعنی مرد اور عورت نکاح کے بغیر جب تک چاہیں ایک ساتھ رہیں اور جب چاہیں اپنی اپنی الگ راہ لیں، یا Pre Marital Sex کا تصور ہو، یعنی نکاح سے پہلے لڑکے اور لڑکی کو کسی سے بھی جنسی تعلقات استوار کرنے کا حق ہے، یا Extra Marital Sex کا تصور ہو، یعنی نکاح کے بعد بھی شوہر کو بیوی پر اور بیوی کو شوہر پر اکتفا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ وہ ازدواجی زندگی سے باہر بھی جس طرح چاہیں اپنی جنسی جذبے کی تسکین کر سکتے ہیں۔

## جنسی تسکین کے لیے اسلام کی رہ نمائی

اسلام نے افراط وتفریط پر مبنی ان تصورات کے درمیان اعتدال کا راستہ بتایا ہے۔ اسلام جذبۂ جنس (Sex) کو تسلیم کرتا ہے، لیکن وہ اس کو صرف اور صرف نکاح کے دائرے میں محدود کرتا ہے۔ نکاح کے علاوہ جنسی تسکین کے تمام راستوں کو وہ حرام قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید میں عورتوں اور مردوں دونوں کے بارے میں کہا گیا ہے:

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ أَخْدَانٍ (المائدۃ:۵)

’’تم نکاح کرکے محافظ بنو، نہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو، یا چوری چھپے آشنائیاں کرو۔‘‘

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَلَا مُتَّخِذٰتِ أَخْدَانٍ (النساء:۲۵)

’’وہ حصارِ نکاح میں محفوظ ہو جائیں اور آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں اور نہ چوری چھپے آشنائیاں کریں۔‘‘

ان دونوں آیتوں میں ’حصن‘ کے مادّے سے الفاظ آئے ہیں۔ ’حصن‘ عربی زبان میں قلعہ کو کہتے ہیں۔ گویا اسلام نے یہ تصور پیش کیا ہے کہ نکاح کی حیثیت ایک قلعہ کی ہے۔ نکاح کرکے مرد اور عورت قلعہ بند ہو جاتے ہیں، وہ شیطان کے تمام حربوں سے اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ ابن عطیہؒ فرماتے ہیں:

التحصّن التمنّع، یقال حصن المکان اذا امتنع، ومنہ الحصن،

وحصنت المرأة امتنعت بوجه من وجوه الامتناع واحصنت نفسها وحصنها غيرها۔[۱]

''تحصّن حفاظت کے معنیٰ میں ہے۔ کہا جاتا ہے: حصن المکان (جگہ محفوظ ہوگئی۔) اسی سے قلعہ کو حصن کہا جاتا ہے۔ حصنت المرأۃ کا مطلب ہے: عورت نے خود کو کسی طریقے سے محفوظ کرلیا، اس نے اپنی حفاظت کرلی اور دوسرے نے بھی اس کی حفاظت کی۔''

## اسلام۔خاندانیت کا علَم بردار

اسلام خاندانیت کا علَم بردار ہے۔وہ خاندان کو وجود میں لاتا ہے اور دنیا میں نسلِ انسانی کے تسلسل کے لیے اسے ضروری قرار دیتا ہے۔قرآن مجید میں سورۂ نساء کی پہلی آیت میں تمام انسانوں کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً (النساء:۱)

''لوگو! اپنے رب سے ڈرو، جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں کے واسطے سے پوری دنیا میں مرد اور عورت پھیلا دیے۔''

گویا خاندان کا ادارہ (Institution) ایک اہم ادارہ ہے۔اسلام اس کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے۔خاندان کی تشکیل پر وہ بہت زیادہ زور دیتا ہے۔وہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے پیغمبر دنیا میں بھیجے سب کو خاندان والا بنایا۔انھوں نے اپنا خاندان تشکیل دیا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کی:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً (الرعد:۳۸)

''اے پیغمبر! ہم نے تم سے پہلے بھی بہت سے رسول بھیجے ہیں اور ہم نے ان کو بیوی بچوں والا بنایا تھا۔''

## خاندان۔اللہ کی نعمت

مردوں کے لیے بیویاں ہونا، بیویوں کے لیے شوہر ہونا، پھر ان کے ذریعہ

اولاد ہونا، اولاد کے بڑے ہونے پر ان کے نکاح کردینا، پھر ان کے ذریعہ پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں ہونا، یعنی ایک بھرا پُرا خاندان اسلام کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے۔قرآن مجید میں ہے:

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُم مِّنْ أَنفُسِکُمْ أَزْوَاجاً وَّجَعَلَ لَکُم مِّنْ أَزْوَاجِکُم بَنِیْنَ وَحَفَدَۃً وَرَزَقَکُم مِّنَ الطَّیِّبَاتِ أَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰہِ ھُمْ یَکْفُرُونَ (النحل:۷۲)

''اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے اور تمہارے جوڑوں سے تمہیں بیٹے اور پوتے عطا کیے اور اچھی اچھی چیزیں تمہیں کھانے کو دیں۔ پھر کیا یہ لوگ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا انکار کرتے ہیں۔''

اس آیت میں دو مرتبہ 'ازواج' کا لفظ آیا ہے۔'ازواج' کا ترجمہ بعض حضرات 'بیویوں' سے کردیتے ہیں، جو صحیح نہیں ہے۔'ازواج' کے معنٰی 'جوڑے' کے ہیں۔ بیوی کے لیے شوہر 'زوج' ہے اور شوہر کے لیے بیوی۔ اس آیت کا خطاب مردوں اور عورتوں دونوں سے ہے۔ان سے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جوڑے عطا کیے ہیں اور ان کے ذریعہ تمہیں بیٹوں اور پوتوں سے نوازا ہے اور تم کو پاکیزہ رزق عطا کیا ہے۔ پھر کیوں تم اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور اس کی ناشکری کرتے ہو۔ گویا ان چیزوں کا عطا کیا جانا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

## استحکامِ خاندان کے لیے مطلوبہ تدابیر

اسلام کی نظر میں صرف خاندان کا وجود میں آجانا کافی نہیں ہے، بلکہ وہ ایسی ہدایتیں دیتا ہے جن کے ذریعہ خاندان کو استحکام حاصل ہو، افرادِ خاندان کے درمیان خوش گوار تعلقات پیدا ہوں اور روابط میں گرم جوشی پائی جائے:

### (۱) خاندان کی تنظیم

اس سلسلے میں پہلی اور بنیادی چیز یہ ہے کہ اسلام نے خاندان کو جو ڈھانچہ

(Structure) مقرر کیا ہے اسے باقی رکھا جائے اور اس میں چھیڑ خانی کی کوشش نہ کی جائے۔اس تعلق سے قرآن مجید کی درج ذیل آیات بہت اہم اور بنیادی ہیں:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (البقرۃ:۲۲۸)

''عورتوں کے لیے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔''

الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (النساء:۳۴)

''مرد عورتوں پر قوام ہیں۔اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔پس جو نیک عورتیں ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت ونگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔''

ان دونوں آیتوں میں خاندان کے دائرے میں افراد کے حقوق اور ذمہ داریاں بیان کردی گئی ہیں۔پہلی آیت میں کہا گیا ہے کہ مرد اور عورت، جو خاندان کے ارکان ہیں، دونوں کے کچھ حقوق اور کچھ ذمہ داریاں ہیں۔بیویوں کے حقوق شوہروں پر ہیں اور شوہروں کے حقوق بیویوں پر۔بیویوں کے حقوق شوہروں کے فرائض ہیں اور شوہروں کے حقوق بیویوں کے فرائض ہیں۔اسی طرح خاندان کے دوسرے افراد حقوق وفرائض میں بندھے ہوئے ہیں۔البتہ عورتوں کے مقابلے میں مردوں کو ایک درجہ فضیلت دی گئی ہے۔یہ درجہ کیا ہے؟اس کی وضاحت دوسری آیت میں کردی گئی ہے۔کہا گیا ہے کہ مرد عورتوں پر قوّام ہیں۔اس میں بہ اعتبار جنس مردوں کی عورتوں پر فضیلت نہیں بیان کی گئی ہے، بلکہ یہ آیت خاندان کے سیاق میں ہے۔اس میں شوہروں کی فضیلت بیویوں پر بتائی گئی ہے۔

'قوّام' کا مطلب عام طور سے درست نہیں سمجھا گیا ہے۔اس کا ترجمہ زیادہ تر مترجمین نے 'حاکم' کیا ہے، یعنی حکومت کرنے والا۔جب اس کے معنیٰ 'حاکم' کے لیے جائیں گے تو اس سے حکم چلانے، اپنی بڑائی جتانے اور رعب جمانے کا تاثر ہی پیدا ہوگا،

عرب کہ عربی زبان میں 'قوّام' کے معنیٰ ہیں: نگراں، حفاظت کرنے والا، ضروریاتِ زندگی پوری کرنے والا۔ گویا مردوں کو عورتوں کا نگہبان، ان کی ضروریات پوری کرنے والا اوران کی حفاظت کرنے والا بنایا گیا ہے۔ آج کی جدید اصطلاح میں بیان کروں تو شوہر کو بیوی کا Body Gaurd بنایا گیا ہے۔ وہ اس کی ضروریات پوری کرتا ہے، دنیا کے شرور وفتن سے اس کی حفاظت کرتا ہے، یہاں تک کہ اس کی حفاظت میں اپنی جان کی بازی لگا دینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔[۲]

آگے کہا گیا ہے: بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے) یہاں یہ صراحت نہیں کی گئی ہے کہ اللہ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے، بلکہ کہا گیا ہے کہ اس نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے۔ یعنی کچھ پہلوؤں سے شوہروں کو بیویوں پر فضیلت حاصل ہے، کچھ دوسرے پہلوؤں سے بیویاں شوہروں سے افضل ہیں، لیکن خاندان کی نگرانی اور سربراہی کی ذمہ داری اسلام نے شوہروں پر عائد کی ہے۔ دوسری بات یہ کہی گئی ہے: وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ (اوراس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔) یہ کہہ کر واضح کر دیا گیا ہے کہ خاندان کو چلانے اور افرادِ خاندان کی مالی ضروریات پوری کرنے کی ذمے داری شوہروں کی ہے۔ اگر بیوی مال دار اور اس کا شوہر غریب ہو تو بھی بیوی سے نہیں کہا گیا ہے کہ وہ اپنا مال خرچ کرے، بلکہ شوہر کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کما کر اپنی بیوی کی ضروریات پوری کرے۔

آگے کہا گیا ہے: فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ (پس نیک عورتیں اطاعت شعار ہوتی ہیں۔) قٰنِتٰتٌ کے دو مفہوم ہیں: وہ اللہ کی اطاعت کرنے والی ہیں اور وہ شوہروں کی بھی اطاعت کرتی ہیں۔ نیک عورتوں کی دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے: حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ: (وہ مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت ونگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔) شوہر اور بیوی کے درمیان رشتہ باہم اعتماد پر مبنی ہوتا ہے۔ شوہر گھر سے غائب رہتا ہے، لیکن اس کو اعتماد ہوتا ہے کہ اس کی بیوی اس کے غائبانہ میں کوئی خیانت نہیں کرے گی، نہ اپنے نفس کے معاملے میں، نہ گھر اور مال کے سلسلے میں۔

خاندان میں شوہر اور بیوی کی پوزیشن کو ایک مثال سے سمجھا جاسکتا ہے۔ کسی کمپنی میں کچھ ملازمین کو پروڈکشن کی ذمہ داری دی جاتی ہے اور کچھ کو مارکیٹنگ کی۔ دونوں کی ذمہ داریاں اور کام الگ الگ ہوتے ہیں۔ ایک شخص کو کمپنی کا ڈائرکٹر اور باس (Boss) بنایا جاتا ہے۔ کمپنی کے تمام ملازمین کو اس کی بات ماننا، اس کی اطاعت کرنا اور اس کی ہدایت پر چلنا لازم ہوتا ہے۔ کمپنی اسی صورت میں ترقی کرسکتی ہے جب اس کے تمام ملازمین اپنے باس کی ہدایت کے مطابق اپنی اپنی ڈیوٹی صحیح طریقے سے انجام دیں۔ یہ ممکن ہے کہ قابلیت، ڈگری اور تجربہ کے اعتبار سے کمپنی کا کوئی ملازم اس کے باس سے فائق ہو، لیکن اگر اسے کمپنی میں رہنا ہے اور صحیح طریقے سے کام کرنا ہے تو اس کے لیے باس کی اطاعت کرنی ضروری ہے۔ ٹھیک اسی طرح خاندان کا ادارہ، جو مرد اور عورت کے ذریعہ تشکیل پاتا ہے، اس میں خاندان کی سربراہی مرد کو دی گئی ہے۔ یہ سربراہی عورت کو بھی دی جاسکتی تھی، لیکن اسلام نے خاندان کا جو ڈھانچہ بنایا ہے اس میں مخصوص مصالح اور اسباب کی بنا پر اس نے سربراہی کے مقام پر مرد کو فائز کیا ہے۔ خاندان کا استحکام اسی صورت میں ہوسکتا ہے جب اس ڈھانچہ اور انتظام کو باقی رکھا جائے۔ کوئی عورت اپنی ڈگری، صلاحیت، تجارت، ملازمت، مال ودولت، سماجی حیثیت، کسی اعتبار سے شوہر سے برتر ہوسکتی ہے، لیکن خاندان کے نظام میں اس کو شوہر کی ماتحتی قبول کرنی پڑے گی۔ اسی صورت میں خاندان میں خوش گواری باقی رہ سکتی ہے اور اسے استحکام حاصل ہوسکتا ہے۔ اگر عورت شوہر کے اس مقام کو چیلنج کرے گی تو خاندان میں کبھی خوش گواری باقی نہیں رہ سکتی۔ بہت سی عورتیں خودسر ہوتی ہیں، وہ شوہروں کی اطاعت نہیں کرتیں، اپنی مرضی کی مالک ہوتی ہیں۔ گھر کے اندر اور کہیں آنے جانے میں وہ آزادی چاہتی ہے کہ میں جو چاہوں کروں، جہاں چاہوں جاؤں آؤں، شوہر نام دار کسی بھی معاملہ روک ٹوک نہ کریں۔ اس کی وجہ سے اختلافات اور تنازعات شروع ہوجاتے ہیں، یہاں تک کہ بسا اوقات علیٰحدگی کی نوبت آجاتی ہے۔

## (۲) حقوق اور فرائض کی پاس داری

خاندان کو استحکام بخشنے والی دوسری بنیادی چیز ہے حقوق کی رعایت اور پاس داری۔

سورۃ النساء کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ (النساء:۱)

''اور اللہ سے ڈرو، جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو۔''

نکاح کے دو بول بولتے اور خاندان کی تشکیل ہوتے ہی افرادِ خاندان کے حقوق اور فرائض متعین ہو جاتے ہیں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

اَعطِ کُلَّ ذِی حَقٍّ حَقَّهٗ۔۳

''ہر صاحب حق کو اس کا حق دو۔''

اسلام نے یہ تصور پیش کیا ہے کہ ہر شخص ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ مشہور حدیث ہے: کُلُّکُم رَاعٍ وَکُلُّکُم مَسؤلٌ عَن رَعِیَّتِهٖ (تم میں سے ہر شخص چرواہا (نگراں) ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں باز پرس کی جائے گی۔) آگے مرد کے بارے میں بھی کہا گیا ہے: فَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلیٰ اَهلِ بیته وَهُوَ مَسئُولٌ عَنهُم (مرد اپنے گھر والوں کا نگراں ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔) ٹھیک اسی طرح عورت کے بارے میں بھی کہا گیا ہے: المَرأۃُ رَاعِیَۃٌ عَلیٰ بَیتِ بعلها وولدهٖ وَهِیَ مَسئُولَۃٌ عَنهُم۴ (عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کے بچوں کی نگراں ہے اور اس سے ان کے سلسلے میں سوال کیا جائے گا۔)

افرادِ خاندان کے حقوق بھی ہیں اور فرائض بھی۔ شوہروں کے حقوق بیویوں پر ہیں اور بیویوں کے حقوق شوہروں پر۔ اولاد کے حقوق والدین پر ہیں اور والدین کے حقوق اولاد پر۔ بہو کے حقوق ساس سسر اور دیگر سسرالیوں پر ہیں اور ان کے حقوق بہو پر۔ اگر ہر کوئی دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی کوشش کرے تو کسی کے حقوق پامال نہیں ہوں گے۔ ہوتا یہ ہے کہ ہر ایک کو اپنے حقوق حاصل کرنے کی تو فکر ہوتی ہے اور وہ انہیں حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے، لیکن اس پر دوسروں کے کیا حقوق ہیں، ان سے بالکل غافل رہتا ہے۔ بنیادی حقوق (Fundamental Rights) کی تین سو سالہ

تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حقوق کو زبردستی چھین کر حاصل کرنے کی جدّ و جہد کی جاتی رہی ہے۔ طاقت وَر لوگوں نے کم زوروں کو ان کے حقوق سے محروم رکھا ہے۔ کم زور لوگ جوں جوں طاقت ور ہوتے گئے ، ایک ایک حق ان کو حاصل ہوتا گیا ، یہاں تک کہ وہ اپنے بہت حقوق حاصل کرنے میں کام یاب ہوئے۔ اسلام نے حق کو حاصل کرنے کا نہیں، بلکہ دوسروں کے حقوق ادا کرنے کا تصور پیش کیا ہے۔ حقوق حاصل کیے جاتے ہیں اور فرائض ادا کیے جاتے ہیں۔ اسلام نے فرائض ادا کرنے پر زور دیا ہے۔ ہر شخص یہ دیکھے کہ اس پر دوسروں کے کیا کیا حقوق عائد ہوتے ہیں؟ دوسروں کے حقوق اس کے فرائض ہیں۔ ہر ایک اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کرے تو دوسروں کے حقوق خود بہ خود ادا ہو جائیں گے۔

## (۳) محبت و رحمت

تیسری چیز، جو خاندان کو استحکام بخشنے والی ہے ، وہ ہے محبت و رحمت۔ اسلام نے خاندان کی بنیاد الفت و محبت اور رحم و کرم پر قائم کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجاً لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (الروم:۲۱)

’’اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے جوڑے بنائے ، تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل ہو اور اس نے تمہارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کردی۔ یقیناً اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔‘‘

اس آیت میں بھی ’ازواج‘ کا لفظ آیا ہے۔ ’ازواج‘ کا ترجمہ ’بیویوں‘ سے کرنا درست نہیں ہے۔ اس کا ترجمہ ’جوڑے‘ کرنا چاہیے۔ بیوی کے لیے شوہر جوڑا ہے اور شوہر کے لیے بیوی۔ ان کو آپس میں اس طرح رہنا چاہیے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے وجہِ سکینت بنیں اور ان کے درمیان محبت و الفت کے تعلقات پائے جائیں۔

قرآن مجید میں اہلِ ایمان کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَاماً (الفرقان:۷۴)

''اور جو دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہمیں اپنے جوڑوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنا۔''

اس آیت میں بھی 'ازواج' کا لفظ آیا ہے۔اس میں سکھایا گیا ہے کہ بیوی دعا کرے کہ اسے شوہر سے آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل ہو اور شوہر دعا کرے کہ اسے بیوی کے ذریعہ آنکھوں کی ٹھنڈک ملے اور دونوں مل کر دعا کریں کہ ان کی اولاد ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک بنے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَمْ نَرَ لِلْمُتَحَابَّيْنِ مِثْلَ النِّكَاحِ [۵]

''ہم نے نہیں دیکھا کہ دو آپس میں محبت کرنے والوں کے درمیان کسی چیز سے اتنی زیادہ محبت پیدا ہوتی ہو جتنی نکاح کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔''

قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعلق سے شوہر کی ذمہ داری بڑھ کر ہے۔ اسے بیوی کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور محبت و مودّت سے پیش آنے کی تاکید کی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَن تَكْرَهُوا شَيْئاً وَيَجْعَلَ اللّهُ فِيهِ خَيْراً كَثِيراً (النساء:۱۹)

'' عورتوں کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو۔اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو، مگر اللہ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔''

اس آیت میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ تم کو عورتوں کی کوئی ایک عادت ناپسند ہو، دو عادتیں ناپسند ہوں ، بلکہ کہا گیا کہ عورتوں کا پورا وجود تم ناپسند کرتے ہو تو یہ سوچ لو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو صرف برائیوں اور خامیوں کو مجموعہ نہیں بنایا ہے ، بلکہ ہر ایک میں کچھ خامیاں ہوتی ہیں تو کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں۔اگر تمہاری بیوی میں کوئی خامی ہوگی تو عین

ممکن ہے کہ اللہ نے اس میں بہت کچھ خیر رکھا ہو۔

اللہ کے رسول ﷺ نے بار بار عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی ہے۔آپ نے فرمایا ہے: اِسۡتَوۡصُوۡا بِالنِّسَاءِ[٦] (لوگو! میں تمہیں عورتوں کے ساتھ بھلا رویہ اختیار کرنے کی تاکید کرتا ہوں۔) حجۃ الوداع میں مختلف مواقع پر آپؐ نے صحابۂ کرام کے سامنے جو خطبات دیے ان میں عقائد ،عبادات ،معاملات ،معاشرت ، حقوق العباد وغیرہ کے سلسلے میں مختلف ہدایات دیں۔ان میں خاص طور سے عورتوں کے ساتھ اچھے برتاو کی تاکید بھی شامل تھی۔آپؐ نے فرمایا:

اَلَا وَاسۡتَوۡصُوا بِالنِّسَاءِ خَیراً، فَإنَّمَا هُنَّ عَوَانٌ عِندَکُم[٧]

''عورتوں کے ساتھ بھلے طریقے سے پیش آؤ،وہ تمہارے پاس قیدیوں کے مثل ہیں۔''

اس حدیث میں عورتوں کو قیدیوں سے اس لیے تشبیہ دی گئی کہ وہ اپنا گھر بار، خاندان، ماں باپ، بھائی بہن چھوڑ کر شوہروں کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے آجاتی ہیں اور انہیں راحت پہنچانے،ان کے مال و اسباب کی حفاظت کرنے اور بچوں کی پرورش و پرداخت کرنے میں اپنی زندگی وقف کردیتی ہیں۔اس لیے شوہروں کو بھی چاہیے کہ ان کے ساتھ بھلے طریقے سے پیش آئیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ اپنی ازواج کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔آپ ان کے ساتھ وقت گزارتے،ان سے خوش طبعی کرتے،ان کے ساتھ کچھ تفریح کی باتیں کرتے،ان کو کبھی سیر وتفریح پر بھی لے جاتے،ان کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کرتے۔حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے آپؐ کو گیارہ عورتوں کا قصہ سنایا۔انہوں نے بتایا کہ گیارہ عورتیں اکٹھا ہوئیں اورانہوں نے اپنے شوہروں کا تذکرہ کیا۔ ہر عورت نے اپنے شوہر کی خامیاں اورخوبیاں بیان کیں۔اللہ کے رسول ﷺ بہت صبر اور سکون کے ساتھ پوری گفتگو سنتے رہے۔ان میں سے ایک عورت تھی،جس کا نام ام زرع تھا۔اس کا شوہر

(ابوزرع) اس سے بہت محبت کرتا تھا۔اس عورت نے اپنے شوہر کا تذکرہ بہت محبت سے کیا اور اس کی خوب تعریف کی۔ پوری کہانی سننے کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے ام المؤمنین سے فرمایا: کُنتُ لَكِ كَأبِي زرع لِأمّ زرع ۸ ’’اے عائشہ! میں بھی تمہارے لیے اسی طرح ہوں جس طرح ابوزرع ام زرع کے لیے تھا۔‘‘

ایک دل چسپ واقعہ حدیث کی کتابوں میں ملتا ہے۔ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے شب میں جنت البقیع تشریف لے جانے کا ارادہ کیا۔وہ شب حضرت عائشہؓ کے یہاں باری کی تھی۔آپؐ نے جب محسوس کیا کہ وہ سوگئی ہیں تو چپکے سے اٹھے، چادر ہاتھ میں لی، چپل اٹھائی تاکہ چپل پہن کر چلنے سے آواز نہ ہو۔کمرے سے باہر نکلے، دروازہ بندکیا، پھر چپل پہنی اور جنت البقیع تشریف لے گئے۔حضرت عائشہؓ کو کچھ دیر کے بعد احساس ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ موجود نہیں ہیں۔وہ آپ کو تلاش کرنے کے لیے نکلیں۔ دیکھا کہ آپؐ جنت البقیع سے واپس آرہے ہیں۔وہ پیچھے مڑیں۔اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی رفتار تیز کرلی تو حضرت عائشہؓ بھی دوڑنے لگیں اور جھٹ سے آکر بستر پر دراز ہوگئیں۔اللہ کے رسول ﷺ حجرے میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ان کی سانسیں زور زور سے چل رہی تھیں۔فرمایا: اچھا! وہ تمہی تھیں جس کا سایہ میرے آگے آگے چل رہا تھا۔۹ اندازہ کریں کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنی ازواج کی راحت کا کتنا خیال رکھتے تھے۔

اسی طرح کی ہدایات خواتین کو بھی دی گئی ہیں۔ان سے کہا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہروں کا خیال رکھیں، ان کی دل جوئی کریں اور ان کی نافرمانی نہ کریں۔ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا گیا: کون سی عورت سب سے بہتر ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

الَّتِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ، وَتُطِيعُهُ اذَا أَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُهُ فِي نَفسِهَا وَمَالِهَا بِمَا يَكْرَهُ ۱۰

’’وہ عورت جسے اس کا شوہر دیکھے تو خوش ہوجائے، اسے کوئی حکم دے تو اس پر عمل کرے اور اپنے نفس اور اس کے مال کے معاملے میں ایسا

رویّہ اختیار نہ کرے جو شوہر کو ناپسند ہو۔‘‘

اس حدیث میں عورت کی ظاہری خوب صورتی کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔کوئی عورت بہت زیادہ خوب صورت ہو، لیکن پھوہڑ ہو، یا وہ شوہر کو پلٹ کر جواب دیتی ہو،اس سے شوہر خوش نہیں ہوگا۔اگر بیوی شوہر کا خیال رکھے، اس سے محبت کا اظہار کرے، اس کے اشاروں پر چلے، اس کی اطاعت کرے،اس کا کہنا مانے،اس کی ضرورتوں کو پوری کرے تو اس سے شوہر کو خوشی حاصل ہوگی۔

## (۴) صلہ رحمی

چوتھی چیز، جو خاندان کے استحکام میں بہت اہمیت رکھتی ہے، وہ ہے صلہ رحمی، یعنی رشتوں کا پاس و لحاظ رکھنا اور رشتے داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔قرآن و حدیث میں صلہ رحمی پر بہت زور دیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَبِذِي الْقُرْبىٰ (النساء:۳۶)

’’والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ بھی۔‘‘

سورۂ رعد میں ’اولوا الالباب‘ کا تذکرہ کیا گیا ہے اور ان کے کچھ اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ان میں سے ایک وصف یہ ہے:

وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ۔

’’اور جو ان رشتوں کو جوڑتے ہیں جنھیں جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔‘‘

آگے ان کا حسنِ انجام ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

أُوْلَئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا (الرعد:۲۲-۲۳)

’’آخرت میں ان کا بہت اچھا انجام ہوگا۔ان کو جنتوں میں داخل کیا جائے گا۔‘‘

ان کے مقابلے میں جو لوگ رشتوں کو کاٹتے ہیں اور صلہ رحمی نہیں کرتے (وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ) ان کا انجام بد ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

أُوْلَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ (الرعد:۲۵)

''ان لوگوں پر لعنت ہے اور ان کا بہت برا انجام ہوگا۔''

احادیث میں رشتوں کا خیال رکھنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ اَوْ يُنْسَأَ لَهُ فِي أَثَرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ ۱۱

جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی ہو اور اس کی زندگی بھی بڑھ جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔''

دوسری طرف جو لوگ رشتوں کا خیال نہیں رکھتے اور انھیں پامال کرتے ہیں انھیں سخت وعید سنائی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگ آخرت میں بُرے انجام سے دوچار ہونے کے ساتھ دنیا میں بھی اس کی سزا پاتے ہیں۔اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

مَا مِنْ ذَنْبٍ أَجْدَرُ أَنْ يُعَجِّلَ اللّٰه تعالیٰ لِصَاحِبِه العُقُوبَةَ فِي الدُّنيا مَا يدَّخِرُ لَه فِي الآخرةِ..مِثْلَ البَغْي وقَطِيعَةِ الرَّحم ۱۲

''بغاوت اور قطع رحمی کی طرح کا کوئی اور گناہ نہیں جس کے آخرت میں بُرے انجام کے ساتھ دنیا میں بھی اس کی سزا ملتی ہو۔''

رشتوں میں نسبی اور سسرالی دونوں رشتے آتے ہیں۔قرآن میں ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَراً فَجَعَلَهُ نَسَباً وَصِهْراً (الفرقان:۵۴)

''وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو پیدا کیا اور اس کے نسبی اور سسرالی رشتے بنائے۔''

شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی بیوی کے نسبی رشتہ داروں کا خیال رکھے،جن سے اس کا سسرالی تعلق ہے۔بیوی کی ذمہ داری ہے کہ وہ شوہر کے نسبی رشتے داروں کا خیال رکھے،جن سے اس کا سسرالی رشتہ ہے۔آج کل کی نوجوان لڑکیاں ، جن کی اگر سسرال میں ساس سسر یا کسی اور سے کچھ معمولی کھٹ پٹ ہوجائے، یا مزاجی ہم آہنگی نہ ہو تو فوراً شوہروں پر دباؤ ڈالنے لگتی ہیں کہ ہمارے لیے الگ رہنے کا انتظام کیجیے،ہم آپ کے ماں باپ کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ان کی خدمت کرنا ہماری ذمے داری نہیں ہے۔ انہیں سوچنا چاہیے کہ شوہروں کے ماں باپ ان کے رشتہ دار ہیں اور رشتہ داروں کے

حقوق ادا کرنے کی قرآن و حدیث میں تاکید کی گئی ہے۔اسی طرح شوہر نام دار بھی بیوی کے ماں باپ اور بھائیوں بہنوں کے عیب نکالنے سے پیچھے نہیں رہتے ۔وہ بیوی کو طعنے دیتے ہیں اوراس کے رشتے داروں کی برائیاں اس کے منھ پر کرتے ہیں۔یہ بھی درست رویّہ نہیں ہے۔اس سے دلوں میں کدورتیں پیدا ہوتی ہیں اور ازدواجی تعلقات میں خوش گواری باقی نہیں رہتی۔

## (۵) زبان کی حفاظت

پانچویں چیز، جو خاندان کے استحکام کے لیے ضروری ہے،وہ ہے زبان کی حفاظت۔خطبۂ نکاح میں جو آیتیں پڑھی جاتی ہیں ان میں سے ایک آیت یہ ہے:

**يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيداً** (الاحزاب:۷۰)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور سیدھی بات کہو۔''

اس آیت میں لفظ **سدید** آیا ہے۔تیر میں اگر ذرا بھی کجی ہو تو وہ صحیح نشانے پر نہیں لگ سکتا۔اس کے لیے عربی زبان میں کہا جاتا ہے: **سہم سدید**۔علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں:

**وهو مأخوذ من سديد السّهم ليصاب به الغرض** [۱۳]

''یہ **تسدید السہم** سے ماخوذ ہے،جس کا مطلب ہے: تیر کو سیدھا کیا جائے،تاکہ وہ نشانے پر لگے۔''

اسی طرح اگر زبان میں ذرا سی کجی آجائے تو رشتوں میں کدورت پیدا ہو جاتی ہے اور زہر گھل جاتا ہے۔ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

**مَن يَضمَنُ لِي مَا بَينَ لَحيَيهِ وَمَا بَينَ رِجلَيهِ أَضمَنُ لَهُ الجَنَّةَ** [۱۴]

''جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت دے: ایک اس چیز کی جو اس کے دونوں جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان) اور دوسرے اس چیز کی جو اس کی رانوں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ)، میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

ایک مرتبہ اللہ کے رسول ﷺ سفر میں تھے۔حضرت معاذ بن جبلؓ آپ کے

ساتھ تھے۔ آپؐ نے انھیں دین کی بنیادی باتوں کی تلقین کی، پھر فرمایا کہ ان کا دار و مدار ایک چیز پر ہے۔ یہ کہتے ہوئے آپؐ نے زبان پکڑی اور فرمایا: ''اسے قابو میں رکھو۔'' حضرت معاذؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کیا جو کچھ ہم بولتے ہیں، اس پر ہمارا مواخذہ ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا:

> ثکلتک اُمّک یا معاذ! وھل یکبّ النّاس فی النار و علی وجوھھم و علی مناخرھم الا حصائد لسنتھم[۱۵]
>
> ''تمھاری ماں تم پر روئے اے معاذ! لوگ جہنم میں اپنے چہروں کے بل (یا فرمایا: اپنے نتھنوں کے بل) اپنی زبانوں کی کارستانیوں کی وجہ سے ڈالے جائیں گے۔''

آج کل افرادِ خاندان میں عموماً زبان پر قابو نہیں رہتا، جس کی وجہ سے رشتوں میں خوش گواری ختم ہوجاتی ہے، شکایات پیدا ہوجاتی ہیں، تلخیاں در آتی ہیں، دوریاں ہوجاتی ہیں، یہاں تک کہ بسا اوقات علیحدگی کی نوبت آجاتی ہے۔ خاندان کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی زبان کو قابو میں رکھے۔ شوہر کی ذمہ داری ہے کہ وہ بیوی کو اور اس کے خاندان والوں اور رشتہ داروں کو کچھ نہ کہے۔ ساس کی ذمہ داری ہے کہ وہ بہو کو طعنے نہ دے۔ بہو کی ذمہ داری ہے کہ وہ ساس سسر اور دوسرے سسرالی رشتہ داروں کا احترام کرے۔ اگر اس کی سماجی حیثیت اچھی ہے، وہ کچھ مال لے کر آئی ہے تو اس کی وجہ سے گھمنڈ میں مبتلا نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ شوہر کو خاطر میں نہ لائے، یا سسرال والوں کا خیال نہ رکھے۔ بہر حال ازدواجی زندگی میں زبان کی حفاظت کی بہت اہمیت ہے۔ اگر تمام افرادِ خاندان زبان کو قابو میں رکھیں تو اس سے خاندان میں خوش گواری باقی رہ سکتی ہے اور اسے استحکام حاصل ہوسکتا ہے۔

## (۶) عفو اور درگزر

چھٹی چیز ہے عفو اور درگزر، یعنی معاف کرنا۔ غلطی کس سے نہیں ہوتی؟ ہر ایک سے ہوسکتی ہے، خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، شوہر ہو یا بیوی، بہو ہو یا ساس، ہر ایک سے غلطی ہونے کا امکان ہے۔ کسی سے بھی غلطی ہو تو دوسرے کے اندر معاف کرنے کا جذبہ ہونا

چاہیے۔ اگر معاف کرنے کا جذبہ نہیں ہوگا، دوسرا فوراً گرفت کرے گا یا پلٹ کر ترکی بہ ترکی جواب دے گا تو اس سے خاندان میں خوش گواری باقی نہیں رہ سکتی۔ ضروری ہے کہ افرادِ خاندان کے درمیان ایک دوسرے کو گوارا کرنے اور معاف کرنے کا جذبہ پایا جائے۔ قرآن مجید میں سورۂ التغابن میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ ۚ وَإِن تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (التغابن:۱۴)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تمہارے جوڑوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں۔ ان سے بچ کر رہو۔ اور اگر تم معاف کرو گے، درگزر کرو گے اور بخش دو گے تو اللہ غفور و رحیم ہے۔''

ضروری نہیں کہ شوہر اور بیوی یا دوسرے افرادِ خاندان کے درمیان مکمل ہم آہنگی پائی جائے۔ ان کے درمیان مزاجوں کا فرق ہوسکتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ راہ حق میں آدمی کا ساتھ نہ دے پا رہے ہوں، بلکہ اس کا بھی امکان ہے کہ وہ رکاوٹ بن رہے ہوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے ترکِ تعلق کرلیا جائے۔ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ انھیں معاف کردیا جائے۔ قابلِ غور بات یہ ہے کہ معاف کرنے کے لیے یہاں تین الفاظ لائے گئے ہیں: عفو، صفح اور مغفرت۔ عفو کا مطلب یہ ہے کہ انھیں کوئی سزا نہ دے۔ صفح سے مراد ہے کہ ان کی کوتاہیوں کو نظر انداز کیا جائے اور انھیں عار نہ دلائی جائے اور مغفرت یہ ہے کہ ان کی تقصیرات پر پردہ ڈال دیا جائے اور انھیں دوسروں سے نہ بیان کیا جائے۔[16]

## (۷) مصالحت

خاندان کے استحکام اور بقا کی ساتویں تدبیر یہ ہے کہ تمام افراد ہر حال میں مصالحت کو اپنے پیش نظر رکھیں۔ جب ان کے درمیان کسی بات پر اختلاف ہو اور تنازعہ پیدا ہو تو ہر ایک اسے بڑھانے کے بجائے گھٹانے کی کوشش کرے اور علیٰحدگی کے بجائے مصالحت کو ترجیح دے۔ لڑائی جھگڑا اور تنازعہ کبھی پیدا ہی نہ ہو، یہ ممکن نہیں ہے۔ تنازعہ ہوسکتا ہے۔ لیکن ایسے موقع پر خاندان کے ہر فرد کے پیش نظر یہ ہونا چاہیے کہ اسے تنازعہ

کو ہوا نہیں دینا ہے، بلکہ مصالحت کی راہ اختیار کرنی ہے۔ میرے سامنے بہت سے ایسے کیسز آتے ہیں۔ شوہر بیوی میں کچھ ان بن ہوگئی۔ بیوی نے اپنا سامان سمیٹا اور میکے چلی گئی۔ شوہر کہتا ہے: جیسے تم گئی تھیں، ویسے چلی آؤ۔ بیوی کہتی ہے: جب تک آپ مجھے لینے نہیں آئیں گے، میں نہیں آؤں گی۔ اس طرح معمولی معمولی باتوں پر تنازع ہوتا ہے، جو بسا اوقات اتنا بڑھ جاتا ہے کہ طلاق اور علیٰحدگی کی نوبت آ جاتی ہے۔

قرآن نے یہ سکھایا ہے کہ اگر کوئی تنازع پیدا ہو تو مصالحت کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ چنانچہ شوہر بیوی کے اختلاف ہی کے پس منظر میں کہا گیا ہے:

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَن يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحاً وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (النساء: ۱۲۸)

”(جب شوہر اور بیوی کے درمیان کچھ اختلافات پیدا ہوں) تو کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ دونوں صلح پر اتفاق کرلیں اور صلح میں بھلائی ہے۔“

تنازعہ چھوٹا ہو یا بڑا، اگر افرادِ خاندان یہ عزم کرلیں کہ ہم کو اسے ہر حال میں سلجھانا اور سمٹانا ہے اور مصالحت کی روش اختیار کرنی ہے تو انہیں ضرور کامیابی ملے گی۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا، اسلام خاندانیت کا علم بردار ہے۔ وہ خاندان کو مستحکم دیکھنا چاہتا ہے اس لیے اس نے استحکام بخشنے والی چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی ہدایت کی ہے اور خاندان کے تمام افراد کو ان کی رعایت کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ہدایات قرآن مجید میں بیان کی گئی ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اپنے ارشادات میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور اپنا عملی نمونہ پیش کرکے دکھایا ہے کہ افرادِ خاندان کے درمیان کیسے تعلقات ہونے چاہییں۔ موجودہ دور میں منصوبہ بند طریقے سے ایسے اقدامات کیے جارہے ہیں جن سے خاندان کا شیرازہ منتشر ہو، افرادِ خاندان کے درمیان دوریاں پیدا ہوں اور الفت، محبت، ایثار اور ہم دردی کے بجائے خود غرضی کا غلبہ ہو۔ ایسے حالات میں ہمیں چاہیے کہ قرآن وحدیث کی تعلیمات کو اپنے پیش نظر رکھیں اور ان پر عمل کریں۔ اگر ہم ایسا کریں گے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ ہمارے خاندانوں میں استحکام پیدا ہوگا اور تعلقات میں خوش گواری آئے گی۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین۔

## حواشی ومراجع


۱۔ ابن عطیہ، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۲۰۰۱ء، ۳۴/۲

۲۔ قوّام کی تشریح کے لیے ملاحظہ کیجیے راقم سطور کا مقالہ: ''مرد کی قوّامیت: مفہوم اور ذمے داریاں، سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جلد ۲۸، شمارہ ۴، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۰۹ء

۳۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب من اقسم علی اخیہ لیفطر، ۱۹۶۸

۴۔ صحیح بخاری، کتاب العتق، باب کراھیہ التطاول علی الرقیق، ۲۵۵۴ اور دیگر ابواب، صحیح مسلم: ۱۸۲۹

۵۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب ما جاء فی فضل النکاح، ۱۸۴۷

۶۔ صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب خلق آدم وذریتہ، ۳۳۳۱، صحیح مسلم: ۱۴۶۸

۷۔ سنن ترمذی، ابواب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأۃ علی زوجہا، ۱۱۶۳

۸۔ صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب حسن المعاشرۃ مع الاہل، ۵۱۸۹، صحیح مسلم: ۲۴۴۸

۹۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند دخول القبور والدعاء لاھلہا، ۹۷۴

۱۰۔ سنن نسائی، کتاب النکاح، باب ایّ النساء خیر، ۳۲۳۱

۱۱۔ صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب من أحبّ البسط فی الرزق، ۲۰۶۷، صحیح مسلم: ۲۵۵۷

۱۲۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی النہی عن البغی، ۴۹۰۲

۱۳۔ ابو عبد اللہ القرطبی، الجامع لاحکام القرآن، دار عالم الکتب للطباعۃ والنشر والتوزیع، ۲۵۳/۱۴

۱۴۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، ۶۴۷۴

۱۵۔ سنن ترمذی، ابواب الایمان عن رسول اللہ ﷺ، باب ما جاء فی حرمۃ الصلاۃ، ۲۶۱۶

۱۶۔ شوکانی، فتح القدیر الجامع بین فنّی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، وزارۃ الاوقاف والشؤون الاسلامیۃ، المملکۃ العربیۃ السعودیۃ، ۲۰۱۰ء، ۲۳۸/۵، ابو السعود، ارشاد العقل السلیم الیٰ مزایا الکتاب الکریم، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، الریاض، ۳۴۱/۵، آلوسی، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، دار احیاء التراث العربی بیروت، ۱۲۶/۲۸

## قرآنیات

# مولانا غلام رسول سعیدیؒ کا ترجمۂ قرآن

## اور ہم مسلک تراجم سے اس کا تقابل

——— ڈاکٹر شاکر حسین خاں

اردو زبان کی ابتدا ہی سے اس میں قرآن مجید کے ترجمے کا آغاز ہو گیا تھا۔ اب تک اس کے بہت سے ترجمے لفظی، بامحاورہ، تشریحی اور آزاد ترجمانی والے شائع ہو چکے ہیں۔ عربی اور فارسی تفاسیر کے اردو ترجمے بھی ہوئے ہیں۔ مولانا غلام رسول سعیدیؒ کی تفسیر 'تبیان القرآن' اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ اس مقالے میں مولانا سعیدی کے ترجمۂ قرآن کا ان کے ہم مسلک بعض دیگر تراجم قرآن سے تقابل کیا گیا ہے۔

## مولانا سعیدی: مختصر تعارف

مولانا غلام رسول سعیدی ۱۰؍رمضان المبارک ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۴؍نومبر ۱۹۳۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ چھ برس کی عمر میں ناظرۂ قرآن اپنی والدہ سے پڑھا۔ دس سال کی عمر میں پرائمری کیا۔ اسی اثنا میں پاکستان معرض وجود میں آ گیا تو ان کا خاندان دہلی سے ہجرت کر کے کراچی آ گیا۔ یہاں دس بارہ برس ان پر معاشی اعتبار سے بہت سخت تھے۔ انہیں تعلیم کا سلسلہ موقوف کرنا پڑا۔ آٹھ برس تک مختلف چھاپہ خانوں میں کام کرتے رہے۔ اٹھارہ برس کی عمر میں علامہ محمد عمر اچھروی کی ایمان افروز تقریریں سنیں تو ان سے متاثر ہو کر ملازمت چھوڑ کر سلسلۂ تعلیم دوبارہ شروع کر دیا۔ جامعہ محمدیہ رضویہ، رحیم یار خان میں داخلہ لیا۔ کچھ عرصے بعد سراج العلوم، خان پور چلے گئے۔ بعد ازاں مفتی محمد حسین نعیمی کے پاس دار العلوم نعیمیہ لاہور پہنچے اور وہاں سے سند فراغت حاصل کی۔

پھر علامہ محمد بندیالوی کے ہاں بندیال شریف ضلع خوشاب گئے اور وہاں سے سند حاصل کی۔ اس کے بعد جامعہ قادریہ، فیصل آباد آئے، جہاں مولانا ولی سے اقلیدس اور تصریح پڑھی۔

تحصیل علوم کے بعد مولانا غلام رسول انتیس (۲۹) برس کی عمر میں جامعہ نعیمیہ لاہور میں مدرس مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۸ء میں مفتی سید شجاعت علی قادری کی دعوت پر کراچی آ گئے اور ایک سال تک دارالعلوم نعیمیہ کراچی میں حدیث کے اسباق پڑھاتے رہے۔ بعد ازاں مفتی محمد حسین نعیمیہ کی خواہش پر دوبارہ جامعہ نعیمیہ لاہور چلے گئے، جہاں وہ ۱۹۸۵ء تک تدریس و تحقیق میں مشغول رہے۔ اسی سال مفتی شجاعت علی قادری انہیں دوبارہ دارالعلوم نعیمیہ کراچی لے گئے، جہاں انہیں 'شیخ الحدیث' کے منصب پر فائز کیا گیا۔ وہ تادم مرگ اسی مدرسے میں رہے۔[1]

مولانا غلام رسول علامہ احمد سعید شاہ کاظمی کے عقیدت مند اور مرید تھے، اس لیے سعیدی کہلائے۔ ماضی میں یہ دار العلوم امجدیہ کراچی سے منسلک علمائے کرام اور علامہ ابوداؤد صادق مدیر ماہ نامہ رضائے مصطفیٰ (گوجرانوالہ) کی تنقید کا نشانہ بھی بنتے رہے۔ ۴/فروری ۲۰۱۶ء کو ان کا انتقال ہو گیا۔

مولانا غلام رسول سعیدی کی متعدد تصانیف ہیں: تذکرہ المحدثین، توضیح البیان، مقالات سعیدی، مقام ولایت و نبوت، ذکر بالجہر، حیات استاذ العلماء، ضیائے کنز الایمان، فاضل بریلوی کا فقہی مقام، شرح صحیح مسلم، تفسیر تبیان القرآن، نعمۃ الباری فی شرح صحیح البخاری اور تبیان الفرقان، وغیرہ شامل ہیں۔

## ترجمہ تبیان القرآن

تفسیر 'تبیان القرآن' مولانا غلام رسول سعیدی کی سب سے اہم تصنیف ہے۔ یہ بارہ (۱۲) جلدوں پر مشتمل ہے۔ تفسیر کے ساتھ ان کا سب سے اہم کام ترجمۂ قرآن مجید ہے۔ موصوف اپنے ترجمۂ قرآن کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''ہمارے بزرگ علماء نے اپنے اپنے زمانے میں اس دور کی زبان کے مطابق قرآن مجید کے مفاہیم کو اردو زبان میں منتقل کیا۔ ان کی یہ مساعی

بہت قابل قدر بلکہ لائق رشک ہیں۔ لیکن زبان کا اسلوب اور مزاج وقت کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ اس وجہ سے میں محسوس کرتا تھا کہ اس دور کے اردو پڑھنے والوں کے مزاج اور ان کے اسلوب کے مطابق قرآن مجید کا ترجمہ کرنا چاہیے، تاکہ پڑھنے والوں کے لیے وہ ترجمہ اجنبی اور نامانوس نہ ہو۔ میں نے قرآن مجید کا ترجمہ تحت اللفظ نہیں کیا اور نہ ہی ایسا کیا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ سے بالکل الگ اور عربی متن کی رعایت کیے بغیر قرآن مجید کے مفہوم کی ترجمانی کی جائے۔ میں نے اپنے آپ کو قرآن مجید کے الفاظ اور عبارت کا پابند رکھا ہے، لیکن لفظی ترجمہ نہیں کیا۔''[۲]

مزید لکھتے ہیں:

''ترجمہ میں، میں نے زیادہ تر علامہ احمد سعید کاظمی قدس سرہ کے ترجمہ 'البیان' سے استفادہ کیا ہے۔[۳]

مولانا سعیدی کا ترجمۂ قرآن ان کی تفسیر تبیان القرآن کا ہی حصہ ہے۔ البتہ اب یہ 'نورالقرآن' کے نام سے الگ بھی شائع ہو گیا ہے۔ اسے فرید بک اسٹال لاہور نے طبع کیا ہے۔

## ترجمہ تبیان القرآن کا دیگر تراجم قرآن سے تقابل

مولانا سعیدی کے ترجمۂ قرآن سے تقابل کے لیے ہم نے بریلوی مکتب فکر سے تعلق رکھنے والے مترجمین کا انتخاب کیا ہے۔ وہ یہ ہیں:

(۱) مولانا احمد رضا خان 'بریلوی' (آئندہ ان کے لیے بریلوی استعمال کیا جائے گا)

(۲) علامہ سید محمد 'کچھوچھوی' (آئندہ ان کے لیے لفظ کچھوچھوی استعمال کیا جائے گا)

(۳) علامہ احمد سعید شاہ کاظمی آئندہ ان کے لیے لفظ کاظمی، استعمال کیا جائے گا)

(۴) جسٹس پیر محمد کرم شاہ 'الازہری' (آئندہ ان کے لیے لفظ 'ازہری' استعمال کیا جائے گا)

(۵) ڈاکٹر محمد طاہر 'القادری' (آئندہ ان کے لیے لفظ 'قادری' استعمال کیا جائے گا۔

## مثال نمبر:۱

قرآن مجید کی ہر سورہ سے قبل 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' لکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ سب سے پہلے اس کا تقابلی مطالعہ کیا جاتا ہے:

''اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں)، جو نہایت رحم فرمانے والا بہت مہربان ہے۔''(سعیدی)

''اللہ کے نام سے شروع، جو نہایت مہربان رحم والا۔''(بریلوی)

''اللہ نہایت رحمت والے بے حد رحم فرمانے والے کے نام سے۔''(کاظمی)

''اللہ کے نام سے شرع کرتا ہوں، جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔''(ازہری)

''اللہ کے نام سے شرع، جو نہایت مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔''(قادری)

''نام سے اللہ کے مہربان بخشنے والا۔''(کچھوچھوی)

ان تراجم میں فاضل بریلوی کا ترجمہ کلاسیکل معلوم ہوتا ہے۔ دیگر تراجم سوائے کچھوچھوی صاحب کے، ان کی اتباع میں کیے گئے ہیں۔ ان تراجم کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سعیدی نے فاضل بریلوی کی اتباع کی ہے۔

مولانا سعیدی بسم اللہ کے ترجمہ کے متعلق لکھتے ہیں: ''ہم نے بسم اللہ کا ترجمہ کیا ہے: اللہ ہی کے نام سے (شروع کرتا ہوں)، اس میں لفظ 'اللہ' کو پہلے ذکر کرکے ان وجوہ کی طرف اور 'ہی' سے حصر کی طرف اشارہ کیا ہے۔''[۴]

مولانا سعیدی نے لفظ 'اللہ' کے بعد 'ہی' کا اضافہ کیا، جو کہ اصل متن کے اندر موجود نہیں۔ شاید انہوں نے عقیدۂ توحید سے معنیٰ اخذ کرتے ہوئے 'ہی' کا اضافہ کیا ہو، جو ممکن ہے، قرآن مجید کے طالب علموں کے نزدیک نامناسب سا معلوم ہو۔ وہ 'الرحمٰن الرحیم' کے ترجمہ کے متعلق لکھتے ہیں: 'رحمٰن اور رحیم' دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور رحمٰن میں رحیم کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے...... اس لیے ہم نے رحمٰن کا معنیٰ 'نہایت رحم فرمانے والا' اور رحیم کا معنیٰ 'بہت مہربان' کیا ہے۔[۵]

لفظ 'رحمٰن' مبالغہ کا صیغہ ہے اور لفظ 'رحیم' صفت مشبّہ ہے، جس کے اندر تسلسل کے معنیٰ پائے جاتے ہیں، یعنی 'ہمیشہ رحم کرنے والا' اس لیے تسمیہ کا ترجمہ قرآنی متن کے مطابق وہی مناسب معلوم ہوتا ہے جو ازہری صاحب نے کیا ہے اور ان کے بعد ان سے بھی بہتر ترجمہ ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے کیا ہے۔

تسمیہ کے تراجم کے تقابل سے یہ نتیجہ نکلا کہ مولانا سعیدی نے ظاہری طور پر تو فاضل بریلوی کی اتباع میں ترجمہ کا آغاز لفظ 'اللہ' سے کیا، لیکن 'الرحمٰن الرحیم' کے ترجمہ میں انہوں نے مناسب سے اختلاف کر کے نیا ترجمہ کیا ہے۔ تمام مترجمین نے نحو کے اعتبار سے مبالغے کو ملحوظ رکھتے ہوتے ترجمہ کیا ہے اور فاضل بریلوی نے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایجاز و اختصار سے کام لیا اور دونوں کے لیے ایک ہی لفظ 'نہایت' استعمال کیا ہے۔

## مثال نمبر: ۲

رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ

(آل عمران: ۵۳)

اس کے تراجم ملاحظہ کیجیے:

علامہ سعیدی، آیتِ مذکورہ کا ترجمہ اس طرح پیش کرتے ہیں:

''اے ہمارے رب! جو کچھ تو نے نازل کیا ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم نے رسول کی پیروی کی، تو ہمیں حق کی گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔'' (سعیدی)

''اے رب ہمارے! ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے اتارا اور رسول کے تابع ہوئے تو ہمیں حق پر گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔'' (بریلوی)

''پروردگار! مان گئے ہم جو تو نے اتارا اور فرماں بردار ہو گئے رسول کے تو ہم کو حق کے گواہوں میں لکھ لے۔'' (کچھوچھوی)

''اے رب ہمارے! ہم ایمان لائے اس پر جو کچھ تو نے اتارا اور ہم نے پیروی کی، رسول کی تو ہمیں (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔'' (کاظمی)

''اے ہمارے رب! ہم ایمان لائیں اس پر جو تو نے نازل فرمایا اور ہم نے تابع

داری کی رسُول کی تو لکھ لے ہمیں (حق پر) گواہی دینے والوں کے ساتھ۔" (ازہری)

"اے ہمارے رب! ہم اس کتاب پر ایمان لائے جو تو نے نازل فرمائی اور ہم نے اس رسول کی اتباع کی سو ہمیں (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے۔" (قادری)

آیتِ مذکورہ کے تراجم میں ڈاکٹر طاہر القادری اور مولانا سعیدی کے تراجم میں زیادہ مماثلت پائی جا رہی ہے، جبکہ کاظمی اور ازہری صاحبان کے ترجموں میں قادری صاحب کے ترجمے سے کم مماثلت ہے۔ مذکورہ تراجم میں کچھوچھوی صاحب کا ترجمہ جاذبِ نظر ہے۔ فاضل بریلوی کا ترجمہ اپنی مثال آپ ہے، دیگر ترجمے فاضل بریلوی کی اتباع میں کیے گئے ہیں۔ ادبی محاسن کا شاہکار ازہری اور قادری صاحبان کا ترجمہ نظر آ رہا ہے، جبکہ مولانا سعیدی نے علامہ کاظمی کے ترجمے کو بہتر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

## مثال نمبر:۳

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (آل عمران:۵۴)

اس آیت کے ترجمے ملاحظہ ہوں:

"اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے (ان کے خلاف) خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے عمدہ خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔" (سعیدی)

"اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر والا ہے۔" (بریلوی)

"اور سب فریب کھیلے اور اللہ نے اس کا جواب دیا اور اللہ فریبیوں کو سب سے بہتر جواب دینے والا ہے۔" (کچھوچھوی)

اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے (ان کے خلاف) خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر فرمانے والا ہے۔" (کاظمی)

"اور یہودیوں نے بھی (مسیح کو قتل کرنے کی) خفیہ تدبیر کی اور (مسیح کو

بچانے کے لیے) اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب سے بہتر (اور مؤثر) خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔" (ازہری)

"پھر (یہودی) کافروں نے (عیسیٰ کے قتل کے لیے) خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے (عیسیٰ کو بچانے کے لیے) چھپی تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر فرمانے والا ہے۔" (قادری)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام ترجمے فاضل بریلوی کی اتباع میں کیے گئے ہیں۔ سوائے کچھوچھوی صاحب کے ترجمہ کے، جو کہ کلاسیکل ترجمہ ہے۔ آیتِ مذکور کے پیش کیے گئے تراجم میں ازہری اور قادری صاحبان کے ترجمے تشریحی نوعیت اور ادبی چاشنی سے لبریز نظر آرہے ہیں۔

## مثال نمبر:۴

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللّٰه وَهوَ خَادِعُهمْ..الخ (النساء:۱۴۲)

اس آیت کے ترجمے درجِ ذیل ہیں:

"بے شک منافق (اپنے زعم میں) اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں، درآں حالے کہ اللہ ان کو دھوکے کی سزا دینے والا ہے۔" (سعیدی)

"بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا۔" (بریلوی)

"بے شک منافق دھوکہ دینا چاہتے ہیں اللہ کو اور وہ دھوکے کا بدلہ دینے والا ہے۔" (کچھوچھوی)

"بے شک منافق (اپنے خیال میں) اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں، اس حال میں کہ اللہ ان کے دھوکے کی سزا انہیں دینے والا ہے۔" (کاظمی)

"بے شک منافق (اپنے گمان میں) دھوکہ دے رہے ہیں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ سزا دینے والا ہے انہیں (اس دھوکہ بازی کی)۔" (ازہری)

’’بے شک منافق (اپنے زعم خویش) اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں، حالاں کہ وہ انہیں (اپنے ہی) دھوکے کی سزا دینے والا ہے۔‘‘ (قادری)

علامہ سعیدی کے ترجمے اور دیگر تراجم میں فاضل بریلوی کے ترجمے سے دو مقام پر مماثلت پائی جارہی ہے اور کچھوچھوی صاحب کے ترجمے سے تین مماثلت پائی جارہی ہے، جب کہ کاظمی، ازہری، قادری اور سعیدی صاحبان کے تراجم میں چار مماثلتیں موجود ہیں۔ فاضل بریلوی کا ترجمہ تشریحی نوعیت کا اور با محاورہ ہے، جب کہ کچھوچھوی صاحب کا ترجمہ لغوی اور با محاورہ دونوں اقسام کا حسین سنگم ہے اور دیگر متراجمین نے قوسین کا سہارا لے کر ترجمہ کو تفسیری ترجمہ بنانے کی سعی کی ہے۔

## مثال نمبر: ۵

فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ. (طٰہٰ: ۱۲۱)

اس آیت کے تراجم ملاحظہ ہوں:

’’پس ان دونوں نے اس درخت میں سے کھالیا، سو ان دونوں کے ستر کھل گئے اور وہ دونوں جنت کے پتوں سے اپنے ستر کو ڈھانپنے لگے اور آدم نے (بہ ظاہر) اپنے رب کی نافرمانی کی تو وہ لغزش میں مبتلا ہو گئے۔‘‘ (سعیدی)

’’تو ان دونوں نے اس میں سے کھالیا، اب ان پر ان کی شرم کی چیزیں ظاہر ہوئیں اور جنت کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی۔‘‘ (بریلوی)

’’چناں چہ کھالیا انھوں سے تو ظاہر ہو گئیں ان کے لیے ان کی شرم کی چیزیں اور لگے چپکانے اپنے اپنے اوپر جنت کے پتے اور بھول گئے آدم اپنے رب کے حکم کو تو انھوں نے بھی اپنا چاہا کھو دیا۔‘‘ (کچھوچھوی)

’’تو (آدم وحوا) دونوں نے اس درخت میں سے کھالیا، پس ان کی ستر گاہیں ان کے لیے کھل گئیں اور دونوں جنت کے پتوں سے اپنے جسم کو چھپانے لگے اور آدم

سے اپنے رب کا حکم بجالانے میں (نسیاً) فروگذاشت ہوئی تو (جنت کی سکونت کی راہ سے) بے راہ ہوگئے۔'' (کاظمی)

''سو (اس کے پھسلانے سے) دونوں نے کھا لیا اس درخت سے تو (فوراً) برہنہ ہوگئیں ان پر ان کی شرم گاہیں اور وہ چپکانے لگ گئے اپنے (جسم) پر جنت (کے درختوں) کے پتّے اور حکم عدولی ہوگئی آدم سے اپنے رب کی سو وہ بامراد نہ ہوا۔'' (ازہری)

''سو دونوں نے (اس مقام قربِ الٰہی کی زاول زندگی کے شوق میں) اس درخت سے پھل کھالیا پس ان پر ان کے مقام ہائے سَتر ظاہر ہوگئے اور دونوں اپنے (بدن) پر جنّت (کے درختوں) کے پتے چپکانے لگے اور آدم (علیہ السلام) سے اپنے رب کے حکم (کو سمجھنے) میں فروگذاشت ہوئی، سو وہ (جنّت میں دائمی زندگی کی) مراد نہ پاسکے۔'' (قادری)

پیش کیے گئے تمام تراجم میں فاضل بریلوی کے ترجمہ سے مماثلت دیکھی جاسکتی ہے۔ کچھوچھوی صاحب کا ترجمہ قرآنی متن کی ترجمانی کرتے ہوئے ادبی ترجمے کا منظر پیش کررہا ہے۔ قادری صاحب کا ترجمہ مسلک کی ترجمانی اور مقامِ نبوت کی پاسبانی کے ساتھ تشریحی ترجمے کی صورت میں ادبی چاشنی میں ڈوبا ہوا نظر آرہا ہے۔ کاظمی صاحب کے ترجمہ میں پانچ مقامات پر فاضل بریلوی کے ترجمہ سے، مولانا سعیدی کے ترجمہ میں چار مقامات پر فاضل بریلوی کے ترجمہ اور مولانا سعیدی کے ترجمہ میں علامہ کاظمیؒ کے ترجمہ سے پانچ مقامات پر مماثلت پائی گئی۔

## مثال نمبر:٦

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ (الشعراء:۲۰)

اس آیت کے تراجم درج ذیل ہیں:

''موسیٰ نے کہا: میں نے وہ کام اس وقت کیا تھا جب میں بے خبروں میں سے تھا۔'' (سعیدی)

''موسیٰ نے فرمایا میں نے وہ کام کیا جب کہ مجھے راہ کی خبر نہ تھی۔'' (بریلوی)

''جواب دیا کہ میں نے وہ کیا تھا جب میں بے خبر تھا۔'' (کچھوچھوی)

''موسیٰ نے فرمایا: میں نے وہ کام اس وقت کیا جب کہ میں راہ سے بے خبر تھا۔'' (کاظمی)

''آپ نے جواب دیا: میں نے ارتکاب کیا تھا اس کا اس وقت جب کہ میں ناواقف تھا۔'' (ازہری)

''(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: جب میں نے وہ کام کیا، میں بے خبر تھا (کہ کیا ایک گھونسے سے اس کی موت واقع ہوسکتی ہے؟)۔'' (قادری)

ان تراجم کا تقابل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھوچھوی صاحب کا ترجمہ قرآنی متن کی ترجمانی کررہا ہے۔ ازہری صاحب نے بھی خوب صورت انداز میں قرآنی متن کی ترجمانی کی ہے۔ قادری صاحب نے موسیٰ علیہ السلام کا نام قوسین میں دے کر کمال کردکھایا اور آخر میں اس واقعے کی نشاندہی قوسین میں بڑی خوب صورتی کے ساتھ کردی، تاکہ جس قاری کے پیشِ نظر صرف آیت مذکورہ ہی ہو وہ آیت کے مفہوم کو بہ آسانی سمجھ لے۔ ان کا ترجمہ تفسیری نوعیت ہے۔ فاضل بریلوی، علامہ کاظمی اور مولانا سعیدی نے موسیٰ علیہ السلام کا نام بغیر قوسین کے دیا ہے، جو کہ آیت کے ترجمہ میں اضافہ کا ثبوت پیش کررہا ہے۔

## مثال نمبر: ۷

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَإِن يَشَإِ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَىٰ قَلْبِكَ وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (الشوریٰ:۲۴)

اس آیت کا ترجمہ مترجمین نے اس انداز میں کیا ہے:

''کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول نے اللہ پر جھوٹ بول کر بہتان تراشا ہے؟ پس اگر اللہ چاہے گا تو آپ کے دل پر مہر لگادے گا اور اللہ باطل کو مٹا دیتا ہے اور حق کو اپنے کلام

سے ثابت رکھتا ہے۔ بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔'' (سعیدی)

''یا یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا اور اللہ چاہے تو تمہارے اوپر اپنی رحمت وحفاظت کی مہر لگا دے اور مٹاتا ہے باطل کو اور حق کو ثابت فرمایا ہے اپنی باتوں سے۔ بے شک وہ دلوں کی باتیں جانتا ہے۔'' (بریلوی)

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ بہتان باندھا ہے اللہ پر جھوٹ تو اگر اللہ چاہے تو حفاظت کی مہر لگا دے تمہارے دل پر اور مٹا دیتا ہے اللہ باطل کو اور درست رکھتا ہے حق کو اپنی باتوں سے۔ بے شک وہ جاننے والا ہے سینوں کی بات۔'' (کچھوچھوی)

''وہ (یہ) کہتے ہیں کہ انھوں نے جھوٹ بول کر اللہ پر بہتان باندھا، پھر اگر اللہ چاہے تو مُہر فرما دے آپ کے (پاکیزہ) دل پر اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور اپنے کلمات سے حق کو ثابت رکھتا ہے۔ بے شک وہ سینوں کی باتیں خوب جاننے والا ہے۔'' (کاظمی)

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا ہے۔ پس اگر اللہ چاہتا تو مہر لگا دیتا آپ کے دل پر اور مٹاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ باطل کو اور ثابت کرتا ہے حق کو اپنے ارشادات سے۔ بے شک وہ جاننے والا ہے جو کچھ سینوں میں ہے۔'' (ازہری)

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (رسول ﷺ) نے اللہ پر جھوٹا بہتان تراشا ہے۔ سو اگر اللہ چاہے تو آپ کے قلبِ اطہر پر (صبر واستقامت کی) مہر ثبت فرما دے، (تاکہ آپ کو ان کی بیہودہ گوئی کا رنج نہ پہنچے) اور اللہ باطل کو مٹاتا ہے اور اپنے کلمات سے حق کو ثابت رکھتا ہے۔ بے شک وہ سینوں کی باتوں کو خوب جاننے والا ہے۔'' (قادری)

کچھوچھوی صاحب نے بڑے خوب صورت انداز میں قرآنی متن کو اردو معلّیٰ میں منتقل کیا، قادری صاحب نے قوسین کا سہارا لے کر بڑے حسین انداز میں تفسیری ترجمہ کیا، جب کہ مولانا سعیدی نے لفظ 'رسول' بغیر قوسین کے رکھا ہے، جو کہ ترجمہ میں اضافہ کا باعث بنا۔ فاضل بریلوی کے ہاں 'قَلْبِ' اور 'وَیَمْحُ اللّٰہُ الْبَاطِلَ' میں اللہ کا لفظ ترجمہ ہونے سے رہ گیا۔ انہوں نے اور مولانا سعیدی نے 'بِذَاتِ الصُّدُوْرِ' کا ترجمہ دلوں کی باتیں سے کیا ہے، جب کہ کچھوچھوی صاحب، کاظمی صاحب اور قادری صاحب نے 'بِذَاتِ

الصُّدُورِ ' کا ترجمہ 'سینوں کی باتیں' کیا ہے۔ کچھوچھوی صاحب نے 'بِذَاتِ الصُّدُورِ ' کا ترجمہ 'جو کچھ سینوں میں ہے' کر کے ترجمے کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ آیتِ مذکورہ کے ترجمہ میں مولانا سعیدی کا ترجمہ فاضل بریلوی کے ترجمے سے نو مقامات پر اور مولانا کاظمیؒ کے ترجمہ سے گیارہ مقامات پر مماثلت رکھتا ہے۔

## مثال نمبر:۸

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (محمد:۱۲)

اس آیت کے تراجم ملاحظہ کیجیے:

"جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے، بے شک اللہ ان کو ایسی جنتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے سے دریا بہتے ہیں اور جن لوگوں نے کفر کیا وہ دنیا میں فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جانوروں کی طرح کھا رہے ہیں اور ان کا ٹھکانہ آگ ہے۔" (سعیدی)

"بے شک اللہ داخل فرمائے گا انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے باغوں میں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں اور کافر برتتے ہیں اور کھاتے ہیں جیسے چوپائے کھائیں اور آگ میں ان کا ٹھکانا ہے۔" (بریلوی)

"بے شک اللہ داخل فرمائے گا انہیں جو ایمان لائے اور نیکیاں کیں باغوں میں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں اور جنہوں نے کفر کیا وہ رہتے سہتے ہیں اور کھاتے رہتے ہیں جس طرح کھاتے ہیں چوپائے اور آگ ٹھکانہ ہے ان کا۔" (کچھوچھوی)

"بے شک اللہ داخل فرمائے گا ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے جنتوں میں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو کافر ہوئے وہ (دنیا میں) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور کھاتے ہیں جس طرح چوپائے کھاتے ہیں اور آگ ان کا ٹھکانہ ہے۔" (کاظمی)

"بے شک اللہ تعالیٰ داخل فرمائے گا جو ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے (سدا بہار) باغات میں رواں ہیں جن کے نیچے نہریں اور جنہوں نے کفر کیا وہ عیش

اُڑا رہے ہیں اور محض کھانے (پینے) میں مصروف ہیں ڈنگروں کی طرح، حالاں کہ آتش جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔" (ازہری)

"بے شک اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے، بہشتوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی اور جن لوگوں نے کفر کیا اور (دنیوی) فائدہ اٹھا رہے ہیں اور (اس طرح) کھا رہے ہیں جیسے چوپائے (جانور) کھاتے ہیں سو دوزخ ہی ان کا ٹھکانا ہے۔" (قادری)

آیت مذکورہ کے ترجمہ میں مولانا سعیدی کا ترجمہ فاضل بریلوی کے ترجمے سے نو مقامات پر مماثلت رکھتا ہے۔ مولانا سعیدی کو بریلوی مترجمین میں تفرد حاصل ہے کہ انہوں نے آیت کا مکمل بامحاورہ ترجمہ کیا ہے، جب کہ دیگر تراجم میں آغاز 'إِنَّ اللَّه' کے ترجمے 'بے شک اللہ' سے ہوا ہے، جو ترجمے کی خوب صورتی کو ظاہر کرتا ہے۔ علامہ کاظمی نے مولانا بریلوی اور مولانا کچھوچھوی کی نسبت اچھا ترجمہ کیا ہے، لیکن انہوں نے قوسین میں 'دنیا میں' اضافہ کر کے اس کو لفظی ترجمہ سے دور کر دیا۔ تفسیری ترجمہ میں قادری صاحب نے ازہری صاحب سے زیادہ اچھا ترجمہ کیا ہے۔

## مثال نمبر: ۹

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ وَمَثْوَاكُمْ (محمد: ۱۹)

اس آیت کے ترجمے ملاحظہ کیجیے:

"پس آپ جان لیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور آپ اپنے بہ ظاہر خلاف اولیٰ سب کاموں پر استغفار کیجیے اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کے لیے اور اللہ تم سب لوگوں کی آمد و رفت اور آرام کی جگہ کو خوب جانتا ہے۔" (سعیدی)

"تو جان لو کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہیں اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مرد اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو اور اللہ جانتا ہے دن کو تمہارا پھرنا اور رات کو تمہارا آرام لینا۔" (بریلوی)

”تو جان رکھو بلاشبہ نہیں ہے کوئی پوجنے کے قابل سوا اللہ کے، مغفرت چاہو اپنوں کی اور ایمان والے مرد اور عورتوں کی اور اللہ جانتا تمہارے چل پھر کو اور تمہارے ٹھکانہ لینے کو۔“ (کچھوچھوی)

”تو آپ یقین رکھیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ (امّت کی تعلیم استغفار کے لیے) اپنے (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ کاموں کی بخشش چاہیں اور ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں (کے گناہوں) کے لیے (مُعافی طلب کریں) اور اللہ جانتا ہے تمہارے چلنے پھرنے کی جگہ اور آرام کا ٹھکانا۔“ (کاظمی)

”پس آپ جان لیں کہ نہیں کوئی معبود بجز اللہ کے، دعا مانگا کریں کہ اللہ آپ کو گناہ سے محفوظ رکھے نیز مغفرت طلب کریں مومن مردوں اور عورتوں کے لیے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے چلنے پھرنے اور آرام کرنیکی جگہوں کو۔“ (ازہری)

”پس آپ جان لیجیے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ (اظہارِ عبودیت اور تعلیم امت کی خاطر اللہ سے) معافی مانگتے رہا کریں کہ کہیں آپ سے خلاف اولیٰ (یعنی آپ کے مرتبہ عالیہ سے کم درجہ کا) فعل صادر نہ ہوجائے اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے بھی طلبِ مغفرت (یعنی ان کی شفاعت) فرماتے رہا کریں۔ (یہی ان کا سامانِ بخشش ہے) اور (اے لوگو!) اللہ (دنیا میں) تمہارے چلنے پھرنے کے ٹھکانے اور آخرت میں) تمہارے ٹھہرنے کی منزلیں (سب) جانتا ہے۔“ (قادری)

آیتِ مذکورہ کا آغاز ’فَاعْلَمْ أَنَّهُ‘ سے ہوا ہے، جس کا ترجمہ مولانا کچھوچھویؒ نے ’تو جان رکھو بلاشبہ‘ کیا ہے۔ یہ صحیح ترجمانی معلوم ہوتی ہے۔ آیت کے ترجمہ میں مولانا سعیدی کا ترجمہ فاضل بریلوی کے ترجمے سے نو مقامات پر مماثلت رکھتا ہے۔ مولانا سعیدی کے ترجمہ سے کاظمیؒ، ازہری اور قادری صاحبان کے ترجمے بھلے معلوم ہوتے ہیں۔

## مثال نمبر: ۱۰

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِن تَوَلَّيْتُمْ أَن تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ

(محمد: ۲۲)

اس آیت کے ترجمے درج ذیل ہیں:

''تم سے یہ بعید نہیں ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو زمین میں فساد کرو گے اور رشتے توڑ ڈالو گے۔'' (سعیدی)

''تو کیا تمہارے یہ لچھن (انداز) نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت مل جائے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو۔'' (بریلوی)

''تو کیا یہ ہونہار ہے کہ اگر تم نے حکومت پالی تو فساد مچاتے پھرو زمین میں اور کاٹتے رہو اپنے رشتوں کو۔'' (کچھوچھوی)

''تو کیا تم اس بات کے قریب ہو؟ کہ اگر تم حکومت حاصل کرلو تو زمین میں فساد ہی پھیلاؤ اور اپنی قطع رحمی کرو۔'' (کاظمی)

''پھر تم سے یہی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت مل جائے تو تم فساد برپا کرو گے زمین میں اور قطع کردو گے اپنی قرابتوں کو۔'' (ازہری)

''پس (اے منافقو!) تم سے توقع یہی ہے کہ اگر تم (قتال سے گریز کرکے بچ نکلو اور) حکومت حاصل کرلو تو تم زمین میں فساد ہی برپا کرو گے اور اپنے (اِن) قرابتی رشتوں کو توڑ ڈالو گے (جن کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے مواصلت اور مُودّت کا حکم دیا)۔'' (قادری)

مولانا سعیدی نے آیت مذکورہ کا اچھا ترجمہ کیا ہے۔ کاظمی اور ازہری صاحبان نے بھی بہتر انداز میں ترجمہ پیش کیا ہے، جب کہ قادری صاحب کا ترجمہ تشریحی نوعیت کا ہے۔ مولانا سعیدی کا ترجمہ فاضل بریلوی کے ترجمے سے چار مقامات پر مماثلت رکھتا ہے، جب کہ علامہ کاظمی کا ترجمہ فاضل بریلوی سے مختلف ہے۔

## مثال نمبر:۱۱

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا. لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا (الفتح:۱۔۲)

اس آیت کے ترجمے ملاحظہ کیجیے:

"(اے رسول مکرم!) ہم نے آپ کے لیے کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی، تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بہ ظاہر) خلافِ اولیٰ سب کام اور آپ پر اپنی نعمت پوری کردے اور آپ کو صراطِ مستقیم پر برقرار رکھے۔" (سعیدی)

"بے شک ہم نے تمہارے لیے روشن فتح فرمادی، تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کردے اور تمہیں سیدھی راہ دکھادے۔" (بریلوی)

"بے شک ہم نے فتح دے دی تمہیں روشن فتح، تاکہ بخش دے تمہارے سبب سے اللہ جو پہلے ہوئے اور جو پچھلے ہیں اور پوری فرمادے اپنی نعمت کو تم پر، چلاتا رہے تمہیں سیدھی راہ۔" (کچھوچھوی)

"(اے حبیب!) بے شک ہم نے آپ کو روشن فتح عطا فرمائی، تاکہ اللہ آپ کے لیے معاف فرمادے آپ کے اگلے اور پچھلے (بظاہر) خلاف اولیٰ سب کام (جو آپ کے کمالِ قرب کی وجہ سے محض صُورۃً ذنب ہیں، حقیقۃً حسنات الابرار سے افضل ہیں) اور اپنی نعمت آپ پر پوری کردے اور آپ کو سیدھی راہ پر ثابت قدم رکھے۔" (کاظمی)

"یقیناً ہم نے آپ کو شان دار فتح عطا فرمائی ہے، تاکہ دور فرمادے آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے اور مکمل فرمادے اپنے انعام کو آپ پر اور چلائے آپ کو سیدھی راہ پر۔" (ازہری)

"(اے حبیبِ مکرم!) بے شک ہم نے آپ کے لیے (اسلام کی) روشن فتح (اور غلبہ) کا فیصلہ فرمادیا۔ (اس لیے کہ آپ کی عظیم جد وجہد کام یابی کے ساتھ مکمل ہوجائے)، تاکہ آپ کی خاطر آپ کی اُمّت (کے اُن تمام افراد) کے اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔ (انھوں نے آپ کے حکم پر جہاد کیے اور قربانیاں دیں) اور (یوں اسلام کی فتح اور اُمّت کی بخشش کی صورت میں) آپ پر اپنی نعمت (ظاہراً و باطناً) پوری فرمادے اور آپ (کے واسطہ سے آپ کی اُمّت) کو سیدھے راستہ پر ثابت قدم رکھے۔" (قادری)

اس کے تحت 'مغفرتِ ذنب' کے مسئلہ میں بریلوی مکتب فکر کے مترجمین کا

آپس میں بڑا اختلاف ہے۔ دارالعلوم امجدیہ اوردارالعلوم نعیمیہ کے علماء کا اختلاف بحث و مباحثہ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ مذکورہ بالا تراجم میں ازہری صاحب کا ترجمہ بہتر ہے۔ جنھوں نے ناموسِ رسالت کا زیادہ خیال رکھتے ہوئے تفسیری ترجمہ کیا ہے، جو سیاق وسباق سے لگا کھاتا ہے۔ اگرچہ قادری صاحب کا ترجمہ لفظی ہے، لیکن نامکمل۔ باقی ترجموں میں مسلکی ترجمانی کارفرما رہی ہے، جس نے مضمونِ قرآن کو بدل کر رکھ دیا ہے۔ مولانا سعیدی کا ترجمہ فاضل بریلوی کے ترجمے سے چھ مقامات پر مماثلت رکھتا ہے، لیکن نفسِ مضمون سے لگا نہیں کھاتا۔

## مثال نمبر:۱۲

وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهِ مِن رُّوحِنَا
وَصَدَّقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهِ وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِينَ (التحریم:۱۲)

اس آیت کے تراجم ملاحظہ کیجیے:

''اورعمران کی بیٹی مریم کی مثال (بھی)، جس نے اپنی پاک دامنی کی حفاظت کی، سو ہم نے اس کے چاک گریبان میں اپنی طرف کی روح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے کلمات اوراس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزاروں میں سے تھی۔'' (سعیدی)

''اورعمران کی بیٹی مریم، جس نے اپنی پارسائی کی حفاظت کی تو ہم نے اس میں اپنی طرف کی روح پھونکی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اورفرماں برداروں میں ہوئی۔'' (بریلوی)

''اورمریم دخترِ عمران کی، جس نے پاک دامنی کی تو پھونکا ہم نے اس میں اپنی طرف سے روح اورتصدیق کی اپنے رب کی باتوں اوراس کی کتابوں کی اور ہوئی فرماں برداروں سے۔'' (کچھوچھوی)

''اورعمران کی بیٹی مریم (کی مثال بھی)، جس نے اپنی عفّت کی (ہرطرح) حفاظت کی تو ہم نے (بواسطہ جبریل اس کے) چاک گریبان میں اپنی (طرف کی)

رُوح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کی باتوں اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور وہ (باادب) اطاعت گزاروں میں سے تھی۔'' (کاظمی)

''اور (دوسری مثال) مریم دُخترِ عمران کی ہے، جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے پھونک دی اس کے اندر اپنی طرف سے روح اور مریم نے تصدیق کی اپنے رب کی باتوں کی اور اس کی کتابوں کی اور وہ اللہ کے فرماں برداروں میں تھی۔'' (ازہری)

''اور (دوسری مثال) عمران کی بیٹی مریم کی (بیان فرمائی ہے)، جس نے اپنی عصمت و عفّت کی خوب حفاظت کی تو ہم نے (اس کے) گریبان میں اپنی رُوح پھونک دی اور اس نے اپنے رب کے فرامین اور اس کی (نازل کردہ) کتابوں کی تصدیق کی اور وہ اطاعت گزاروں میں سے تھی۔'' (قادری)

مولانا سعیدی کا ترجمہ فاضل بریلوی کے ترجمے سے آٹھ مقامات پر اور علامہ کاظمی کے ترجمہ سے چھ مقامات پر مماثلت رکھتا ہے۔

## مثال نمبر:۱۳

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (الضحیٰ:۷)

اس آیت کے تراجم ملاحظہ کیجیے۔

''اور آپ کو حُبِّ کبریا میں سرشار پایا تو آپ کو تبلیغِ دین کی طرف متوجہ کیا۔'' (سعیدی)

''اور تمہیں اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو اپنی طرف راہ دی۔'' (بریلوی)

''اور پایا تمہیں متوالا تو اپنی راہ دی۔'' (کچھوچھوی)

''اور آپ کو (اپنی محبت میں) گم پایا تو (اپنی طرف) راہ دی۔'' (کاظمی)

''اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزلِ مقصود تک پہنچا دیا۔'' (ازہری)

'' اور اس نے آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ و گم پایا تو اس نے مقصود تک پہنچا دیا۔ (یا۔ اور اس نے آپ کو بھٹکی ہوئی قوم کے درمیان (رہنمائی فرمانے والا) پایا تو اس نے (انہیں آپ کے ذریعے) ہدایت دے دی)۔'' (قادری)

اس آیت کا ترجمہ بھی بریلوی مکتب فکر کی شناخت میں سے ہے۔ فاضل بریلوی نے ترجمہ میں اپنا مسلک ظاہر کیا ہے۔ کچھوچھوی صاحب نے لفظی ترجمہ کیا ہے۔ دیگر تراجم فاضل بریلوی کی اتباع میں لیکن مختلف الفاظ کے ساتھ مسلک کی ترجمانی کررہے ہیں۔ قادری صاحب کا ترجمہ تفسیری نوعیت کا ہے۔ اہل علم خود فیصلہ کریں کہ اس کو ترجمہ کا نام دیں؟ یا مفہوم کہیں؟ یا تفسیر؟

## خلاصۂ کلام

مولانا غلام رسول سعیدی کے ترجمۂ قرآن کا ان کے ہم مسلک مترجمین قرآن کے تراجم کے ساتھ تقابل کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کا ترجمہ بریلوی تراجمِ قرآن میں ایک اضافہ ہے۔ اس کے اکثر مقامات میں مسلکی تراجم سے مماثلت پائی جاتی ہے۔ مجموعی طور پر اردو تراجمِ قرآن میں مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کا کنزالایمان فی ترجمۃ قرآن' اور علامہ سید محمد کچھوچھویؒ کا ترجمہ 'معارف القرآن' اصلی، حقیقی اور ان کے اپنے ذاتی ترجمے ہیں، جب کہ علامہ احمد سعید شاہ کاظمی، جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری، ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور مولانا غلام رسول سعیدی کے تراجم میں جزوی طور پر تو انفرادیت نظر آتی ہے، لیکن عمومی طور پر وہ اتباعی تراجم ہیں، جن میں زیادہ تر مماثلت پائی جاتی ہے، کہیں کہیں کسی ترجمے میں تفرد ہے۔ مماثلت پایا جانا کوئی عیب نہیں، لیکن قوسین کا زیادہ استعمال ضرور ایک عیب ہے۔ یہ چیز ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور مولانا غلام رسول سعیدی کے ترجموں میں زیادہ پائی جاتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ ان کی حیثیت تشریحی تراجم کی ہے۔

# مولانا سید جلال الدین عمریؒ: افکار و آثار

(مجموعہ مقالات مولانا عمری سمینار)

- ان تحقیقی تحریروں کا مجموعہ جس میں مولانا محترم کی حیات، خدمات اور افکار کے ہر پہلو کا احاطہ کیا گیا ہے۔
- ہر تحریر اور بحث ادارہ کی خاص دعوت پر لکھی گئی ہے۔

**چند جھلکیاں:**

- شخصی نقوش: میں حیات اور شخصی اوصاف و کمالات زیر بحث آئے ہیں۔
- تحقیق، تصنیف: اہل علم نے مولانا کے تحقیقی و تصنیفی کارناموں کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔
- دعوت دین: اس موضوع پر مولانا کی معرکۃ الآرا تحریروں کا تجزیہ کیا گیا ہے۔
- فقہی بصیرت: تفقہ فی الدین اللہ کا خصوصی عطیہ ہے، محققین نے مولانا کی تحریروں میں اس خوبی کو تلاش کیا ہے۔
- حقوقِ نسواں اور حقوقِ انسانی: یہ آپ کا میدان اختصاص تھا، اس کے مختلف پہلوؤں پر معروف اسکالرز نے بحث کی ہے۔
- خطبات و دروس: اس باب میں خصوصی اسلوب خطابت کو واضح کیا گیا ہے۔
- امارت و قیادت: رفقائے کار نے آپ کی قائدانہ صلاحیت اور کارناموں پر روشنی ڈالی ہے۔
- صدارتی خطبات: کتاب کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ سیمینار کے تمام صدارتی خطبات کو آڈیو سے نقل کر کے شامل کیا گیا ہے۔

اس مجموعے سے ان شاء اللہ مولانا کے افکار کو سمجھنے اور ان کی خدمات سے واقفیت حاصل کرنے میں مدد ملے گی اور ان پر تحقیق کرنے والوں کے لیے بھی یہ مشعل راہ ثابت ہوگا۔

صفحات: 584 • قیمت: 600

ناشر: ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، ذکی نگر، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ، یوپی، ۲۰۲۰۰۲
ای میل: idaratahqeeq2016@gmail.com
رابطہ: 9027445919

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، ذکی نگر، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، علی گڑھ ۲
۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

# بائبل اور قرآن میں قربانی کا تصور

پروفیسر محمد سعود عالم قاسمی

دنیا کے سبھی آسمانی مذاہب نے انسان کو اللہ کی عبادت کرنے، اس کا ذکر کرنے، اس کے حضور نذر و نیاز پیش کرنے اور اس کے نام پر جانور قربان کرنے کی تعلیم دی ہے۔قرآن مجید میں کہا گیا ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ (الحج:۳۴)

’’ہر امت کے لیے ہم نے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا، تاکہ لوگ ان جانوروں پر، جو اللہ نے ان کو دیا ہے، اللہ کا نام لیں۔ پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، اسی کی فرماں برداری کرو اور خوش خبری دو عاجزی اختیار کرنے والوں کو۔‘‘

قرآن کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کی روایت سارے مذاہب میں پائی جاتی ہے، تاہم بعض مذہبی گروہ آج بھی ایسے موجود ہیں جو کسی جان دار کے قتل کو جائز نہیں سمجھتے، اس لیے ان کے یہاں قربانی رسم عبودیت کا حصہ نہیں ہے۔ ایسے مذاہب کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ وہ انسانی مذاہب ہیں، آسمانی نہیں۔ مذاہبِ عالم میں سامی مذاہب، یعنی یہودیت، عیسائیت اور اسلام میں قربانی کی روایت بہت مستحکم ہے اور اس کے احکام کی تفصیلات بھی موجود ہیں۔ان کا موازنہ کرنے سے انسانوں کی مذہبی تاریخ کے بہت سے حقائق آشکارا ہوتے ہیں اور عہد بہ عہد قربانی کے ارتقا کے مراحل سے پردہ اُٹھاتے ہیں۔

بائبل کے مطابق اللہ کے حضور پہلی قربانی پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل اور قابیل نے دی تھی۔ توریت میں ان کی قربانی کا قصہ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”آدم حوّا سے ہم بستر ہوا۔ حوّا نے کہا: ”رب کی مدد سے میں نے ایک مرد حاصل کرلیا ہے۔“ بعد میں قابیل کا بھائی ہابیل پیدا ہوا۔ ہابیل بھیڑ بکریوں کا چرواہا بن گیا، جب کہ قابیل کھیتی باڑی کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد قابیل نے رب کو اپنی فصلوں میں سے کچھ پیش کیا۔ ہابیل نے بھی نذرانہ پیش کیا، لیکن اس نے اپنی بھیڑ بکریوں کے کچھ پہلوٹھے ان کی چربی سمیت چڑھائے۔ ہابیل کا نذرانہ رب کو پسند آیا، مگر قابیل کا نذرانہ منظور نہ ہوا۔ یہ دیکھ کر قابیل بڑے غصہ میں آ گیا اور اس کا منہ بگڑ گیا۔ رب نے پوچھا ”تو غصہ میں کیوں آ گیا ہے؟ تیرا منھ کیوں لٹکا ہوا ہے؟ کیا اگر تو اچھی نیت رکھتا ہے تو اپنی نظر اُٹھا کر میری طرف نہیں دیکھ سکے گا۔ لیکن اگر اچھی نیت نہیں رکھتا تو خبردار، گناہ دروازے پر دبکا بیٹھا ہے اور تجھے چاہتا ہے، لیکن تیرا فرض ہے کہ تو اس پر غالب آئے۔“

ایک دن قابیل نے اپنے بھائی سے کہا: آؤ، ہم باہر کھلے میدان میں چلیں اور جب وہ کھلے میدان میں تھے تو قابیل نے اپنے بھائی ہابیل پر حملہ کرکے اسے مار ڈالا۔“[۱]

قرآن کریم میں قابیل اور ہابیل کی قربانی کا واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ. لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ. إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ (المائدۃ: ۲۷-۲۹)

”اور ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کا حال سنا دو، جب ان دونوں نے قربانی پیش کی۔ ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ اس نے کہا: میں تجھ کو قتل کر دوں گا۔ جواب میں دوسرے

> نے کہا کہ اللہ تو صرف پرہیزگاروں کی قربانی قبول کرتا ہے۔ اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھائے گا تو میں تجھ قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا۔ میں تو اپنے اللہ پروردگار عالم کا خوف رکھتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ اور اپنے گناہ کو سمیٹے اور تو جہنم والوں میں شامل ہو جائے اور یہی ظالموں کا بدلہ ہے۔''

بائبل اور قرآن کے بیانات کا موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بائبل میں خدا اور قابیل کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اس کی تفصیل ملتی ہے، البتہ ہابیل اور قابیل کی باہمی گفتگو کی تفصیل نہیں ہے، جب کہ قرآن مجید میں دونوں بھائیوں یعنی قاتل ومقتول کی باہمی گفتگو کو بھی نقل کیا گیا ہے، تاکہ ظالم کی ذہنیت اور نیت کو ظاہر کیا جائے اور مقتول بھائی کی سادگی، سچائی اور خدا ترسی پر روشنی ڈالی جائے۔ نیز بائبل میں دونوں بھائیوں کے نام کی صراحت ہے، جب کہ قرآن میں نام کی صراحت کے بجائے آدمؑ کے دو بیٹوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں تاریخ انسانی کے اس پہلے قتل کے اخلاقی اور سماجی نتائج پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

بائبل میں دوسری قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مفصّل طور پر مذکور ہے۔ انھوں نے اللہ کے حکم سے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی اپنے رب کے حضور پیش کی۔ اس تاریخی قربانی کی تفصیل توریت میں اس طرح آئی ہے:

> ''اللہ نے کہا: اپنے اکلوتے بیٹے اسحٰق کو، جسے تو پیار کرتا ہے، ساتھ لے کر موریاہ کے علاقے میں چلا جا، وہاں میں تجھے ایک پہاڑ دکھادوں گا۔ اس پر اپنے بیٹے کو قربان کردے۔ اسے ذبح کر کے قربان گاہ پر جلا دینا۔ صبح سویرے ابراہیم اٹھا اور اپنے گدھے پر زین کسا۔ اس نے اپنے ساتھ دو نوکروں اور اپنے بیٹے اسحاق کو لیا۔ پھر وہ قربانی کو جلانے کے لیے لکڑی کاٹ کر اس کی جگہ کی طرف روانہ ہوا جو اللہ نے اسے بتائی تھی۔ سفر کرتے کرتے تیسرے دن قربانی کی جگہ ابراہیم کو دوٗر سے نظر آئی۔ اس نے نوکروں سے کہا: ''یہاں گدھے کے پاس ٹھہرو، میں لڑکے کے ساتھ

وہاں جا کر پرستش کروں گا پھر ہم تمہارے پاس آجائیں گے۔ ابراہیم نے قربانی کو جلانے کے لیے لکڑیاں اسحاق کے کندھوں پر رکھ دیں اور خود چھری اور آگ جلانے کے لیے انگاروں کا برتن اٹھایا۔ دونوں چل پڑے۔ اسحاق بولا: ابو! ابراہیم نے کہا: جی بیٹا۔ ابو، آگ اور لکڑیاں تو ہمارے پاس ہیں، لیکن قربانی کے لیے بھیڑ یا بکری کہاں ہے؟ ابراہیم نے جواب دیا: اللہ خود قربانی کے لیے جانور مہیا کرے گا، بیٹا۔ وہ آگے بڑھ گئے۔ چلتے چلتے وہ اس مقام پر پہنچے جو اللہ نے اس پر ظاہر کیا تھا۔ ابراہیم نے وہاں قربان گاہ بنائی اور اس پر لکڑیاں ترتیب سے رکھ دیں۔ پھر اس نے اسحاق کو باندھ کر لکڑیوں پر رکھ دیا اور چھری پکڑی، تاکہ اپنے بیٹے کو ذبح کرے۔ عین اسی وقت رب کے فرشتے نے آسمان سے آواز دی: ابراہیم! ابراہیم! ابراہیم نے کہا: جی، میں حاضر ہوں۔ فرشتے نے کہا: اپنے بیٹے پر ہاتھ نہ چلا، نہ اس کے ساتھ کچھ کر، اب میں نے جان لیا ہے کہ تو اللہ کا خوف رکھتا ہے۔ کیوں کہ تو اپنے اکلوتے بیٹے کو بھی مجھے دینے کے لیے تیار ہے''۔[۲]

حضرت ابراہیمؑ کی قربانی کا یہ واقعہ قرآن کریم میں بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے:

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصَّالِحِينَ. فَبَشَّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ. فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ. فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ. وَنَادَيْنَاهُ أَن يَا إِبْرَاهِيمُ. قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ. إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ. وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ. وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ. سَلَامٌ عَلَى إِبْرَاهِيمَ. كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ. إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ. وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ (الصافات: ۱۰۰-۱۱۲)

(ابراہیمؑ نے دعا کی) ''اے رب! مجھ کو نیک اولاد عطا کر، تو ہم نے اسے ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی۔ جب وہ لڑکا اس کے ساتھ

دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا: اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھ کو ذبح کر رہا ہوں۔ تو تم بھی دیکھ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے۔ بیٹے نے کہا: اے باپ! آپ کو جس کام کا حکم دیا گیا ہے اسے کر ڈالیے، ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے حکم مان لیا اور بیٹے کو باپ نے پیشانی کے بل پچھاڑ دیا تو ہم نے پکارا: اے ابراہیم! تو نے خواب سچ کر دکھایا، ہم اسی طرح احسان کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔ بے شک یہی ہے وہ کھلی آزمائش، اور اس کے بدلہ میں ہم نے بڑی قربانی کا فدیہ دیا اور اس پر آنے والوں کو باقی رکھا، سلامتی ہو ابراہیم پر، اسی طرح ہم احسان کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں، بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں ہے اور ہم نے اس کو اسحاقؑ کی بشارت دی جو صالحین میں سے نبی ہوگا۔"

بائبل اور قرآن میں مذکور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کے واقعہ میں عمومی مماثلت پائی جاتی ہے، البتہ تین باتوں میں فرق ہے:

اول تو یہ کہ بائبل میں مذکور ہے کہ اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا، جب کہ قرآن میں ہے کہ خواب میں بیٹے کو قربان کرنے کی بشارت دی۔

دوم یہ کہ بائبل میں صراحت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے یہ بات اپنے بیٹے پر ظاہر نہیں کی، بلکہ جب ابراہیمؑ نے قربان گاہ پر جلانے کی لکڑیاں اپنے بیٹے اسحٰقؑ کے کندھوں پر رکھ دیں تو اسحاقؑ نے پوچھا: قربانی کے لیے مینڈھا یا بکری کہاں ہے؟ تب بھی ابراہیمؑ نے اپنا ارادہ ظاہر نہیں کیا، جب کہ قرآن میں وضاحت ہے کہ جب ابراہیمؑ کو خواب میں اپنے بیٹے کو قربان کرنے کی بشارت ملی تو انھوں نے پورا خواب اپنے بیٹے کو بتایا اور اس سے قربان ہونے کی رضامندی حاصل کی۔ قرآن کے بیان کردہ واقعہ سے باپ بیٹے دونوں کی فضیلت اور عظمت معلوم ہوتی ہے، جب کہ توریت کے بیان سے صرف حضرت ابراہیمؑ

کی عظمت اور تقدس کا اظہار ہوتا ہے۔

سوم یہ کہ بائبل میں صراحت ہے کہ اللہ نے ابراہیمؑ کو اکلوتے بیٹے اسحٰقؑ کو قربان کرنے کا حکم دیا تھا اور انھوں نے اسحٰقؑ کو قربان کرنے کے لیے ہاتھ باندھ کر لکڑی پر لٹادیا تھا، جب کہ قرآن کے مطابق ذبح ہونے والے بیٹے اسحٰقؑ نہیں، اسماعیلؑ تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کو پہلے حضرت اسماعیلؑ کو قربان کرنے کا خواب دکھایا گیا اور اس کی تعبیر پوری ہونے کے بعد حضرت اسحٰقؑ کی پیدائش کی بشارت دی گئی۔ قربانی کے وقت حضرت اسماعیلؑ ہی حضرت ابراہیمؑ کے اکلوتے بیٹے تھے۔

ذبح کے موقع پر حضرت اسحٰقؑ کے نام کی صراحت کو علماء اسلام نے توریت کے ترجمہ میں تحریف قرار دیا ہے، کیوں کہ توریت کے اصل نسخوں میں صرف اکلوتے بیٹے کا ذکر ہے اسحٰقؑ کے نام کی صراحت نہیں ہے۔ توریت کے مترجمین نے اکلوتے کے ساتھ اسحٰقؑ کا اضافہ اپنی طرف سے کردیا ہے۔ یہ بات بائبل اور قرآن دونوں سے ظاہر ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے اکلوتے بیٹے اسحٰقؑ نہیں، بلکہ اسماعیلؑ تھے، اسحٰقؑ بعد میں پیدا ہوئے تھے، کیوں کہ خود توریت کی صراحت ہے کہ جب فرشتہ نے اسحٰقؑ کے پیدا ہونے کی بشارت دی تو اسماعیلؑ پیدا ہوچکے تھے اور ان کا ختنہ اسحٰقؑ کی پیدائش سے پہلے کیا گیا تھا۔ توریت کا حسب ذیل بیان ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا:

> ”میں اسماعیل کے سلسلے میں بھی تیری درخواست پوری کروں گا۔ میں اسے بھی برکت دے کر پھلنے پھولنے دوں گا اور اس کی اولاد بہت ہی زیادہ بڑھا دوں گا۔ وہ بارہ رئیسوں کا باپ ہوگا اور میں اس کی معرفت ایک بڑی قوم بنادوں گا۔ لیکن میرا عہد اسحٰقؑ کے ساتھ ہوگا، جو عین ایک سال کے بعد سارہ کے یہاں پیدا ہوگا۔ اللہ کی ابراہیم کے ساتھ بات ختم ہوئی اور وہ اس کے پاس سے آسمان پر چلا گیا۔ اسی دن ابراہیم نے اللہ کا حکم پورا کیا۔ اس نے گھر کے ہر ایک مرد کا ختنہ کروایا۔ اپنے بیٹے اسماعیلؑ کا بھی اور ان کا بھی جو اس کے گھر میں رہتے لیکن اس سے رشتہ نہیں رکھتے تھے“۔[۳۱]

اس سے بھی زیادہ واضح ثبوت یہ ہے کہ توریت میں صاف لفظوں میں بیان کیا گیا ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ کو حضرت ہاجرہؒ کے بطن سے بیٹا پیدا ہوا تو ابراہیمؑ نے اس کا نام اسماعیلؑ رکھا، اس وقت ابراہیمؑ چھیاسی برس کا تھا۔[۴]

اسی توریت میں یہ بھی صراحت مذکور ہے:

''جب اسحاق پیدا ہوا، اس وقت ابراہیم سو سال کا تھا۔[۵]

توریت کے مذکورہ بیانات بتا رہے ہیں کہ پہلے حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش ہوئی، پھر ۱۴ سال بعد حضرت اسحقؑ کی پیدائش ہوئی۔ اللہ نے جب اکلوتے (بلکہ پہلوٹھے) فرزند کو قربان کرنے کا حکم دیا تو وہ فرزند حضرت اسماعیل تھے نہ کہ حضرت اسحقؑ۔ اس لیے توریت کے ترجموں میں اکلوتے کے بعد اسحقؑ کا اضافہ علماء یہود کی تحریف پر مبنی ہے۔ علامہ حمید الدین فراہیؒ نے لکھا ہے کہ یہود نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح ہونے کے شرف سے محروم کرنے کے لیے توریت کے بیان میں پانچ قسم کی تحریفات کی ہیں۔[۶]

مولانا فراہیؒ نے بطور خلاصہ لکھا ہے:

> ''یہود نے ذبح کے واقعہ میں حضرت اسماعیلؑ کے نام کی جگہ حضرت اسحقؑ کا نام ڈال دیا، حالاں کہ خود توریت سے اس امر کی اعلانیہ تردید ہوتی ہے۔ قرآن مجید نے اس تحریف کی تردید کے لیے صرف یہ کیا کہ اصل واقعہ ٹھیک اس کی صحیح ترتیب کے ساتھ بیان کر دیا اور اسی لپیٹ میں متعدد دلائل اس امر کے بیان کر دیے کہ ذبیح حضرت اسماعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں، حضرت اسحقؑ نہیں ہو سکتے''۔[۷]

بائبل میں تیسری قربانی حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ اور بنی اسرائیل کی مذکور ہے۔ عہد نامۂ عتیق میں اس قربانی کے احکام، طریقے، مقامات، قربان گاہ اور قربانی کے جانوروں کی صفات کے بارے میں مفصّل کلام کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے بارے میں ہے:

''خصوصیت کے ساتھ سات دن کے بعد موسیٰ نے آٹھویں دن ہارون، اس کے بیٹوں اور اسرائیل کے بزرگوں کو بلایا، اس نے ہارون سے کہا، ایک بے عیب بچھڑا اور ایک بے عیب مینڈھا چن کر رب کو پیش کر، بچھڑا گناہ کی قربانی کے لیے اور مینڈھا بھسم ہونے والی قربانی کے لیے ہو۔ پھر اسرائیلیوں کو کہہ دینا کہ گناہ کی قربانی کے لیے ایک بکرا اور بھسم ہونے والی قربانی کے لیے ایک بے عیب یک سالہ بچھڑا اور ایک بے عیب یک سالہ بھیڑ کا بچہ پیش کرو۔ ساتھ ہی سلامتی کی قربانی کے لیے ایک بیل اور ایک میڈھا چنو، تیل کے ساتھ ملائی ہوئی غلہ کی نذر بھی لے کر سب کچھ رب کو پیش کرو کیوں کہ آج ہی رب تم پر ظاہر ہوگا۔''[۱۱]

بنی اسرائیل کی قربانی کے لیے اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جو احکام دیے تھے، عہد نامۂ عتیق میں اس کی وضاحت اس طرح کی گئی ہے:

''رب نے ملاقات کے خیمے میں سے موسیٰ کو بلا کر کہا کہ اسرائیلیوں کو اطلاع دے: اگر تم میں سے کوئی رب کو قربانی پیش کرنا چاہے تو وہ اپنے گائے بیلوں یا بھیڑ بکریوں میں سے جانور چن لے۔ اگر وہ اپنے گائے بیلوں میں سے بھسم ہونے والی قربانی چڑھانا چاہے تو وہ بے عیب بیل چن کر اسے ملاقات کے خیمے کے دروازے پر پیش کرے تاکہ رب اسے قبول کرے۔ قربانی پیش کرنے والا اپنا ہاتھ جانور کے سر پر رکھے تو یہ قربانی مقبول ہو کر اس کا کفارہ دے گی۔ قربانی پیش کرنے والا بیل کو وہاں رب کے سامنے ذبح کرے۔ پھر ہارون کے بیٹے، جو امام ہیں، اس کا خون رب کو پیش کر کے اسے دروازہ پر کی قربان گاہ کے چار پہلوؤں پر چھڑکیں۔ اس کے بعد قربانی پیش کرنے والا کھال اتار کر جانور کے ٹکڑے ٹکڑے کرے۔ امام قربان گاہ پر آگ لگا کر اس پر ترتیب سے لکڑیاں چنیں۔ اس پر وہ جانور کے ٹکڑے سر اور چربی سمیت رکھیں۔ لازم ہے کہ قربانی پیش کرنے والا پہلے جانور کی انتڑیاں اور پنڈلیاں دھوئے۔ پھر امام پورے جانور کو قربان گاہ پر

جلا دے۔ اس جلنے والی قربانی کی خوشبو رب کو پسند ہے''۔[۹]

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھتیجوں یعنی حضرت ہارون کی اولاد کو امام بنایا تھا اور ان کو قوم کی طرف سے قربانی کرنے کا مجاز قرار دیا تھا۔ توریت میں امام کی صفات اور ذمہ داریوں کے ساتھ قربانی کرنے کی بھی تفصیل ملتی ہے۔ ان میں ایک یہ ہے:

''اماموں کو مقدِس میں میری خدمت کے لیے مخصوص کرنے کا طریقہ یہ ہے ۔ ایک جوان بیل اور دو بے عیب مینڈھے چن لینا۔ بہترین میدے سے تین قسم کی چیزیں پکانا جن میں خمیر نہ ہو۔ پہلے سادہ روٹی، دوسرے روٹی، جس میں تیل ڈالا گیا ہو، تیسرے روٹی، جس پر تیل لگایا گیا ہو۔ یہ چیزیں ٹوکری میں رکھ کر جوان بیل اور دو مینڈھوں کے ساتھ رب کو پیش کرنا''۔[۱۰]

بیل کو ملاقات کے خیمے کے سامنے لانا۔ ہارون اور اس کے بیٹے اس کے سر پر اپنے ہاتھ رکھیں۔ اسے خیمے کے دروازہ کے سامنے رب کے حضور ذبح کرنا۔ بیل کے خون میں کچھ لے کر اپنی انگلی سے قربان گاہ کے سینگوں پر لگانا اور باقی خون قربان گاہ کے پائے پر انڈیل دینا۔ انتڑیوں پر کی تمام چربی، جوڑ، کلیجی اور دونوں گردے ان کی چربی سمیٹ لے کر قربان گاہ پر جلا دینا۔ لیکن بیل کے گوشت کھال اور انتڑیوں کے گوبر کو خیمہ گاہ کے باہر جلا دینا۔ یہ گناہ کی قربانی ہے۔ اس کے بعد پہلے مینڈھے کو لے آنا ہارون اور اس کے بیٹے اپنے ہاتھ مینڈھے کے سر پر رکھیں۔ اسے ذبح کرکے اس کا خون قربان گاہ کے چار پہلو پر چھڑکنا۔ مینڈھے کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس کی انتڑیوں اور پنڈلیوں کو دھونا۔ پھر انھیں سر اور باقی ٹکڑوں کے ساتھ ملا کر پورے مینڈھے کو قربان گاہ پر جلا دینا۔ جلنے والی یہ قربانی رب کے لیے بھسم ہونے والی قربانی ہے اور اس کی خوش بو رب کو پسند ہے''۔[۱۱]

بائبل میں گناہ کے کفارہ کے طور پر قربانی دینے اور سلامتی کی قربانی یعنی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے قربانی دینے کے احکام مفصلاً مذکور ہیں اور دونوں میں

قدرے فرق بھی ہے۔تورات میں مذکور ہے:

"رب نے موسیٰ سے کہا: اسرائیلیوں کو بتانا کہ جو رب کی سلامتی کی قربانی پیش کرے وہ رب کے لیے ایک حصہ مخصوص کرے۔ وہ جلنے والی یہ قربانی اپنے ہاتھوں سے رب کو پیش کرے۔ اس کے لیے وہ جانور کی چربی اور سینہ رب کے سامنے پیش کرے۔ سینہ ہلانے والی قربانی ہو۔ امام چربی کو قربان گاہ پر جلادے، جب کہ سینہ ہارون اور اس کے بیٹوں کا حصہ ہے۔ قربانی کی دہنی ران امام کو اٹھانے والی قربانی کے طور پر دی جائے۔ وہ اس امام کا حصہ ہے جو سلامتی کی قربانی کا خون اور چربی چڑھاتا ہے"۔[۱۲]

گناہ اور قصور کی قربانی کے لیے ایک ہی اصول ہے، جو امام قربانی کو پیش کر کے کفارہ دیتا ہے اس کو اس کا گوشت ملتا ہے۔ اسی طرح جو امام کسی جانور کو بھسم ہونے والی قربانی کے طور پر چڑھاتا ہے اسی کو جانور کی کھال ملتی ہے"۔[۱۳]

قرآن میں گناہ کے کفارہ کے طور پر جانور کو قربان کرنے کا حکم نہیں ہے، بلکہ غلام آزاد کرنے، مسکینوں کو کھانا کھلانے اور بعض کفاروں میں روزہ رکھنے کا حکم ہے۔ جانور کی قربانی حج میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر، بچہ کی پیدائش کے وقت اور اللہ کی رضا کے لیے کرنے کا حکم ہے۔

بائبل میں قربانی کا گوشت قربانی کے دن ہی استعمال کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگلے دن کے لیے قربانی کا گوشت بچا کر رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔تورات میں ہے:

"گوشت اسی دن کھایا جائے جب جانور ذبح کیا گیا ہو۔ اگلی صبح تک کچھ نہیں بچنا چاہیے۔ اس قربانی کا گوشت صرف اس صورت میں اگلے دن کھایا جاسکتا ہے جب کسی نے منت مان کر یا اپنی خوشی سے اسے پیش کیا ہے۔ اگر کچھ گوشت تیسرے دن تک بچ جائے تو اسے جلانا ہے۔ اگر اسے تیسرے دن بھی کھایا جائے تو رب یہ قربانی قبول نہیں کرے گا، اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، بلکہ اسے ناپاک قرار دیا جائے گا"۔[۱۴]

قرآن میں قربانی کے گوشت کو آنے والے دنوں میں استعمال کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ اس میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ قربانی کا گوشت خود بھی کھاؤ اور غریبوں اور ناداروں کو بھی کھلاؤ:

فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذَلِكَ سَخَّرْنَاهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (الحج:۳۶)

''تم اس قربانی میں سے کھاؤ اور قناعت پسند محتاج اور فقیر کو کھلاؤ۔ اسی طرح ہم نے اسے تمہارے لیے مسخر کیا ہے، تاکہ تم شکر گزار بنو۔''

رسول کریم ﷺ نے ابتداء میں قربانی کا گوشت تین دنوں سے زیادہ رکھنے سے منع فرمایا تھا، بعد میں آپؐ نے اجازت دے دی اور اس کی حکمت بھی بیان فرمائی۔ حضرت نبیشہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّا كُنَّا نَهَيْنَاكُمْ عَنْ لُحُومِهَا أَنْ تَأْكُلُوهَا فَوْقَ ثَلَاثٍ، لِكَيْ تَسَعَكُمْ، جاء الله بالسعة، فكلوا، وادخروا، واتجروا، ألا وإن هذه الأيام أيام أكل وشرب، وذكر الله عز وجل [۱۵]

''ہم نے تم لوگوں کو تین دن کے بعد قربانی کا گوشت کھانے سے اس واسطے منع کیا تھا کہ وہ تم سب لوگوں کو پہنچ جائے۔ اب اللہ تعالیٰ نے وسعت عطا فرمائی ہے۔ اب تم اسے کھاؤ، بچا کے بھی رکھو اور (صدقہ کرکے) ثواب بھی حاصل کرو۔ سنو! یہ دن کھانے پینے اور اللہ عزوجل کو یاد کرنے کے ہیں۔''

اس مضمون کی ایک مفصل روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی مروی ہے۔[۱۶]

بائبل میں جانور کی جگہ پرندوں کی قربانی کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ یہ قربانی ان لوگوں کے لیے ہے جو جانور قربان کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ توریت میں ہے:

''اگر قصوروار شخص غربت کے باعث بھیڑ یا بکری نہ دے تو وہ رب کو دو قمریاں یا دو جوان کبوتر پیش کرے۔ ایک گناہ کی قربانی کے لیے اور

ایک بھسم ہونے والی قربانی کے لیے‘‘۔ ۱۷

قرآن میں صرف ’اَنْعَام‘ (چوپایوں) کی قربانی کا حکم ہے، پرندوں کی قربانی کا حکم نہیں ہے۔ اسی لیے قربانی صاحبِ نصاب یعنی مال دار لوگوں پر واجب کی گئی ہے۔ نادار لوگوں پر قربانی نہیں ہے۔ کفارہ میں بھی مسکینوں کو کھانا کھلانے اور روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو لوگ غریب اور نادار ہیں ان سے قربانی کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے۔ البتہ ان کے لیے دوسرے احکام ہیں جو ان کی حالت کے مطابق ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

> أُمِرْتُ بِيَوْمِ الْأَضْحَى عِيدًا جَعَلَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: أَرَأَيْتَ إِنْ لَمْ أَجِدْ إِلَّا مَنِيحَةً أُنْثَى أَفَأُضَحِّي بِهَا؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنْ تَأْخُذُ مِنْ شَعْرِكَ، وَتُقَلِّمُ أَظْفَارَكَ، وَتَقُصُّ شَارِبَكَ، وَتَحْلِقُ عَانَتَكَ، فَذَلِكَ تَمَامُ أُضْحِيَّتِكَ عِنْدَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ ۱۸
>
> ’’اضحیٰ کے دن مجھے عید منانے کا حکم دیا گیا ہے، جسے اللہ عزوجل نے اس امت کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ ایک شخص کہنے لگا کہ اگر میں مادہ اونٹنی یا بکری کے علاوہ کچھ نہ پاؤں تو کیا اسی کو ذبح کردوں؟ آپؐ نے فرمایا: نہیں، تم بال کتر لو، ناخن تراش لو، مونچھ کتر لو اور زیر ناف کے بال صاف کرلو، اللہ عزّ وجلّ کے نزدیک یہی تمھاری پوری قربانی ہے۔‘‘

بائبل میں قربانی کے جانوروں کو ذبح کرنے کے لیے مقامات کی تعیین کی گئی ہے۔ ان مخصوص مقامات کے علاوہ کہیں اور قربانی نہیں کی جاسکتی۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اس کی قربانی قبول نہیں ہوگی۔ توریت میں وضاحت ہے:

> ’’رب نے موسیٰ سے کہا: ہارون اس کے بیٹوں اور تمام اسرائیلیوں کو ہدایت دینا کہ جو بھی اسرائیلی اپنی گائے یا بھیڑ بکری، ملاقات کے خیمہ کے دروازہ پر رب کو قربانی کے طور پر پیش نہ کرے، بلکہ خیمہ گاہ کے اندر یا باہر کسی اور جگہ پر ذبح کرے وہ خون بہانے کا قصوروار ٹھہرے گا۔ اس نے خون بہایا ہے اور لازم ہے کہ اسے اس کی قوم میں سے مٹایا

جائے۔ اس ہدایت کا مقصد یہ ہے کہ اسرائیلی اب سے اپنی قربانیاں کھلے میدان میں ذبح نہ کریں، بلکہ رب کو پیش کریں۔ وہ اپنے جانوروں کو ملاقات کے خیمہ کے دروازہ پر امام کے پاس لاکر انھیں رب کو سلامتی کی قربانی کے طور پر پیش کریں۔ امام ان کا خون ملاقات کے خیمہ کے دروازہ پر کی قربان گاہ پر چھڑکے اور اس کی چربی اس پر جلادے۔ ایسی قربانی کی خوشبو رب کو پسند ہے۔''[۱۹]

اس کے برخلاف قرآن میں قربانی کا جانور ذبح کرنے کے لیے مقامات کی تعیین نہیں کی گی ہے، قربانی کسی بھی پاک صاف جگہ کی جاسکتی ہے، خواہ قربان گاہ میں ہو یا کھلے میدان میں۔

بائبل میں اماموں کو قوم کی طرف سے قربانی کرنے کا مجاز بنایا گیا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل اپنی خطاؤں کے کفارہ کی قربانی اور رب کی خوشنودی حاصل کرنے کی قربانی انہی اماموں کے ذریعہ کراتے تھے۔ توریت میں ہے:

''موسیٰ نے ہارون اور اس کے بچے ہوئے بیٹوں اِلی عزر اور اتمر سے کہا: غلّہ کی نذر کا جو حصہ رب کے سامنے جلایا نہیں جاتا اسے اپنے لیے لے کر خمیری روٹی پکانا اور قربان گاہ کے پاس ہی کھانا، کیوں کہ وہ نہایت مقدس ہے۔ اس مقدس جگہ پر کھانا، کیوں کہ وہ رب کی جلنے والی قربانیوں میں سے تمہارے اور تمہارے بیٹوں کا حصہ ہے۔ کیوں کہ مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ جو سینہ ہلانے والی قربانی اور دہنی ران اٹھانے والی قربانی کے طور پر پیش کی گئی ہے وہ تم اور تمہارے بیٹے بیٹیاں کھاسکتے ہیں۔ انھیں مقدس جگہ پر کھانا ہے۔ اسرائیلیوں کی سلامتی کی قربانیوں میں سے یہ ٹکڑے تمہارا حصہ ہیں۔ لیکن پہلے امام ران اور سینے کو جلنے والی قربانیوں کی چربی کے ساتھ پیش کریں۔ وہ انہیں ہلانے والی قربانی کے طور پر رب کے سامنے ہلائیں۔ رب فرماتا ہے کہ یہ ٹکڑے ابد تک تمہارے اور تمہارے بیٹوں کا حصہ ہیں۔''[۲۰]

بنی اسرائیل کے امام قوم کی طرف سے قربانی کرتے تھے اور اس قربانی میں

ان کا حصہ مقرر تھا۔قرآن میں قربانی کرنے کے لیے امام یا مذہبی رہنما کی قید نہیں لگائی گئی ہے، بلکہ ہر وہ مسلمان جو صاحبِ استطاعت ہے اور قربانی کی دعا واحکام سے واقف ہے، قربانی کرسکتا ہے۔قربانی کے جانور میں قربان کرنے والے اماموں کا حصہ بھی مقرر نہیں کیا گیا ہے۔

بائبل میں اللہ کا صریح حکم موجود ہے کہ اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے جو قربانی کی جائے اس کا مخصوص حصہ اللہ کو پیش کیا جائے اور اس کی شکل یہ ہے کہ اسے آگ میں جلادیا جائے، کیوں کہ جلتے ہوئے گوشت کی خوش بو اللہ کو پسند ہے۔توریت میں حضرت ہارونؑ کے بارے میں کہا گیا ہے:

''پھر اس نے اس کی چربی، گردوں اور جوڑ کلیجی کو قربان گاہ پر جلادیا، جیسے رب نے موسیٰ کو حکم دیا تھا ویسے ہی ہارون نے کیا۔بچھڑے کا گوشت اور کھال اس نے خیمہ گاہ کے باہر لے جاکر جلادی۔''[۲۱]

قرآن مجید میں قربانی کے گوشت کو جلانے کا حکم نہیں ہے، بلکہ اسے خود کھانے اور دوسروں کو کھلانے کی اجازت دی گئی ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ كَذَٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِينَ (الحج:۳۷)

''کیوں کہ قربانی کے جانور کا گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتا، البتہ تمہارا تقویٰ اللہ کو پہنچتا ہے۔اللہ نے اس کو تمہارے لیے اسی طرح مسخر کیا ہے، تاکہ تم اللہ کی ہدایت پر اس کی تکبیر کرو اور احسان کرنے والوں کو خوش خبری سنادو۔''

توریت میں قربانی کے اقسام اور احکام جس تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں وہ انجیل میں مفقود ہیں۔حضرت عیسیٰؑ کے مواعظ میں قربانی کرنے کا تذکرہ بہت کم ملتا ہے، بلکہ ایک جگہ حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول بیان کیا گیا ہے:

''پہلے جاؤ اور کلام مقدس کی اس بات کا مطلب جان لو کہ ''میں قربانی نہیں بلکہ رحم پسند کرتا ہوں'' کیوں کہ میں راست بازوں کو نہیں بلکہ

گناہ گاروں کو بلانے آیا ہوں۔''۲۲

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے قربانی کا حکم نہیں دیا تھا، بلکہ وہ صرف اخلاقی اور روحانی اعمال اور مذہبی اصلاح پر زور دیتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ، حضرت موسیٰؑ کی شریعت پر دل وجان سے عمل کرنے کی تبلیغ کرتے تھے۔ تورات میں قربانی کے جو احکام تفصیلاً موجود ہیں، انھی کے نفاذ کو کافی سمجھتے تھے۔ ان کا مشہور قول انجیل میں موجود ہے:

''یہ نہ سمجھنا کہ میں موسوی شریعت اور نبیوں کی باتوں کو منسوخ کرنے آیا ہوں۔ منسوخ کرنے نہیں، بلکہ ان کی تکمیل کرنے آیا ہوں''۔۲۳

قرآن میں قربانی کے احکام اجمالاً بیان کیے گئے ہیں۔ اس کے تفصیلی احکام، فضیلت، شرائط اور عملی مسائل حدیث میں بیان کیے گئے ہیں، انھیں خاص طور پر کتاب الحج اور کتاب الاضحیۃ کے ابواب میں دیکھا جاسکتا ہے۔

## حواشی ومراجع


۲۔ عہد نامہ عتیق، کتاب پیدائش، باب ۴، آیت ۱-۸

۲۔ عہد نامہ عتیق، کتاب پیدائش، باب ۲۲، آیت ۱-۱۳

۳۔ تورات، کتاب پیدائش، باب ۱۷ آیت ۲۰ تا ۲۴

۴۔ حوالۂ سابق، باب ۱۶، آیت ۱۶

۵۔ حوالۂ سابق، باب ۲۱، آیت ۵

۶۔ حمید الدین فراہی، ذبیح کون ہے؟ ترجمہ از امین احسن اصلاحی، دائرہ حمیدیہ، سرائے میر، اعظم گڑھ، ص: ۱۳۰

۷۔ حوالۂ سابق، ص: ۱۴۴

۸۔ عہد نامہ عتیق، کتاب احبار، باب ۹، آیت ۱-۵

۹۔ حوالۂ سابق، باب ۱، آیت ۱-۱۰

۱۰۔ حوالۂ سابق، کتاب خروج، باب ۲۹، آیت ۱-۴

۱۱۔ حوالۂ سابق، آیت ۱۰-۱۹
۱۲۔ عہد نامہ عتیق، کتاب احبار، باب ۷، آیت ۲۸-۳۴
۱۳۔ حوالۂ سابق، آیت ۷-۹
۱۴۔ حوالۂ سابق، آیت ۱۵-۱۸
۱۵۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب حبس لحوم الاضاحی، حدیث نمبر: ۲۸۱۳
۱۶۔ حوالۂ سابق، حدیث نمبر: ۲۸۱۲
۱۷۔ عہد نامہ عتیق، کتاب احبار، باب ۵، آیت ۷-۸
۱۸۔ سنن ابی داؤد، کتاب الضحایا، باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی، حدیث نمبر: ۲۸۹۷
۱۹۔ عہد نامہ عتیق، کتاب احبار، باب ۱۷، آیت ۱-۷
۲۰۔ حوالۂ سابق، آیت ۱۲-۱۶
۲۱۔ حوالۂ سابق، باب ۹، آیت ۱۰-۱۲
۲۲۔ عہد نامہ جدید، انجیل متی، باب ۹، آیت ۱۳
۲۳۔ حوالۂ سابق، باب ۵، آیت ۱۷


## اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور

### مولانا سید جلال الدین عمریؒ

خدمتِ خلق کے موضوع پر یہ ایک شاہ کار تصنیف ہے۔ اس میں درج ذیل عناوین پر بڑی عالمانہ اور تحقیقی بحث کی گئی ہے:

خدمت خلق کا صحیح تصور اور غلط تصورات کی تردید، خدمتِ خلق کا اجر وثواب، خدمت کے مستحقین، خدمت کب کی جائے، وقتی خدمات، رفاہی خدمات، خدمت کے لیے انفرادی واجتماعی کوششیں، خدمت کے لیے اخلاص کی ضرورت۔ موجودہ دور میں خدمت کے تقاضے اوران پر عمل کی شکلیں۔ صفحات: ۱۵۴، قیمت: ۱۱۰/روپے

اس کتاب کا انگریزی، عربی ہندی، ملیالم اور ٹمل زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

ملنے کا پتہ: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، نئی دہلی۔ 110025

## تحریکات

# جماعت اسلامی اور اخوان المسلمون

## (ہم آہنگی اور اختلاف کے پہلوؤں کا جائزہ)

——— ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی

[اس مضمون میں عصر حاضر کی دو تحریکوں کا مختلف پہلوؤں سے تقابلی مطالعہ کیا گیا ہے۔ فاضل مضمون نگار دونوں تحریکوں کی تاریخ سے گہری واقفیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے تنقید ونظر سے بھی کام لیا ہے۔ ان کے نتائج بحث سے اختلاف کی پوری گنجائش موجود ہے۔ اس سلسلے میں اگر کوئی صاحب کچھ لکھنا چاہیں تو تحقیقاتِ اسلامی کے صفحات حاضر ہیں۔ مدیر]

اسلامی تحریکوں کے اندر تنوع اور اختلاف قدرت کی حنابندی اور حسین منصوبہ بندی کا ایک مظہر ہے۔ مختلف ملکوں کے حالات وعوامل، افراد وشخصیات کا متنوع پس منظر، ذہنی وفکری اٹھان، قدرتی صلاحیتیں اور دل چسپیاں، عوام کے متفاوت رجحانات — یہ سب مل کر دینی واسلامی تحریکوں کی مجموعی صورت اور ہیکل کی تشکیل کرتے ہیں۔ اس لیے جماعت اسلامی ہند وپاک اور اخوان المسلمون مصر کے درمیان یکسانیت اور مشابہت کے ساتھ تنوع اور رنگارنگی کے پہلو قابل تعجب نہیں ہیں۔ اس مطالعہ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ کسی ایک تحریک کی تحسین کی جائے اور دوسری کی تنقیص، یا کسی تحریک کی دوسری تحریک پر فضیلت ثابت کی جائے، بلکہ اس کا محرک دونوں تحریکوں کے تجربات وافکار کو نمایاں کرنا ہے، تاکہ باہم افادہ واستفادہ کے عمل سے گزر کر اسلامی تحریکیں زیادہ قوت واستقلال کے ساتھ، حکمت وفراست کے وسیع تر تجربات کو اپنے اندر سمو کر منزل مقصود کی طرف بڑھ سکیں۔

جماعت اسلامی کا قیام ۲۶/اگست ۱۹۴۱ء کو مبارک پارک، پونچھ روڈ، لاہور کے مقام پر ۷۵/افراد کی موجودگی میں ہوا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳-۱۹۷۹ء) کو متفقہ طور پر جماعت اسلامی کا امیر منتخب کیا گیا۔ مقصد اجتماعی جدّ وجہد کے ذریعہ اسلامی حکومت کا قیام تھا۔ جماعت اسلامی ہند نے تقسیم ہند کے بعد اپنے دستور میں اقامت دین کو نصب العین قرار دیا۔ حالات کی تبدیلی سے پالیسی اور پروگرام میں بھی تبدیلی عمل میں آئی، تاہم اقامت دین اور احیائے اسلام کا نصب العین نظروں سے اوجھل نہیں ہوا۔ اخوان المسلمون کی تحریک مارچ ۱۹۲۸ء میں مصر کے قصبہ اسماعیلیہ میں شیخ حسن البنا (۱۹۰۶ء-۱۹۴۹ء) کی ولولہ انگیز قیادت میں قائم ہوئی۔ انہوں نے تحریک کے دو بنیادی مقاصد بتائے: (۱) وطن اسلامی ہر اجنبی اقتدار سے آزاد ہوجائے، اس لیے کہ آزادی ہر انسان کا فطری حق ہے، جس کا انکار کوئی ظالم ڈکٹیٹر ہی کرسکتا ہے۔ (۲) آزاد وطن میں آزاد اسلامی سلطنت کا قیام، جو اسلام کے احکام پر عمل کرے اور اس کے اجتماعی نظام کو نافذ کرے۔[2]

## مشابہت و یکسانیت

دونوں تحریکوں کے بانیوں اور نظریہ سازوں نے حکومت اسلامی کے قیام اور احیائے اسلام کی منصوبہ بندی پر زور دیا۔ بے کم وکاست پورے اسلام کی ترجمانی اور مکمل نظام زندگی کی حیثیت میں اسلام کا تعارف دونوں کا مقصود ہے۔ سید مودودیؒ مسجد سے پارلیمنٹ تک اسلام ہی کی جلوہ گری دیکھنے کے آرزومند تھے۔ حسن البنا شہید نے اخوان کی پانچویں میقاتی کانفرنس میں تحریک کو سلفی دعوت، سنّی طریقہ، طائفہ تصوف، تنظیم سیاسی، ورزشی ٹیم، علمی وثقافتی مرکز، معاشی کمپنی، غرض یہ کہ سبھی کا مجموعہ قرار دیا تھا، کیوں کہ ان کا تصوّرِ اسلام تمام اصلاحی پہلوؤں کا جامع ہے۔ اخوان سلف کی طرف لوٹنے کی دعوت دیتے ہیں۔ وہ عقائد وعبادات میں سنت کو مرجع واحد تصور کرتے ہیں۔ وہ دل کی طہارت، نفس کی پاکیزگی، عمل خالص پر مداومت اور خلق خدا سے محبت کا پیغام دیتے ہیں۔ وہ حکومت کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ صحت وتندرستی کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ ملک کی

معیشت کو مستحکم دیکھنے کے آرزومند ہیں۔۳؎

جماعت اسلامی اور اخوان المسلمون دونوں کا مطمح نظر مکمل اسلامی انقلاب ہے۔ جزوی اصلاح کی دعوت ان کے پیش نظر نہیں ہے۔ وہ پورے معاشرے کو نیچے سے اوپر تک اللہ کے رنگ میں رنگنا چاہتی ہیں۔ قرآن وسنت سے مکمل وابستگی اور غیر مشروط وفاداری دونوں کے پیش نظر ہے۔ ان کے تیار کردہ لٹریچر میں فکر کا ماخذ وحی الٰہی ہے، جو قرآن مجید اور سنت مطہرہ پر مشتمل ہے۔ وہ حکایات وقصص، فضائل ومناقب اور ملفوظات ومکاتیب کو فکر کا سرچشمہ نہیں مانتے۔ تاریخ اسلام سے استدلال ضرور کرتے ہیں، مگر معیارِ حق وصداقت صرف کلام اللہ اور کلام رسول اللہ ﷺ کو ٹھہراتے ہیں۔ اسی لیے تنقید کی کسوٹی ان کے ہاں خوب استعمال ہوتی ہے۔

دونوں تحریکیں عصری حسّیت کو پیش نظر رکھتی ہیں۔ جدید اسلوب ولہجہ میں اسلام کی ترجمانی کو ناگزیر سمجھتی ہیں۔ تعقل اور ادراک کے عنصر کی کارفرمائی دونوں کے ہاں موجود ہے۔ تقلید اور قدامت پرستی سے دونوں کو نفرت ہے۔ رسوم وروایات اور تمدنی ترقیات واصلاحات کو دونوں فکر اسلامی کا منبع نہیں مانتیں۔ فکر وعمل کی دونوں سطحوں پر اجتہاد کی اہمیت اور اس کا اطلاق دونوں کے ہاں مسلّم ہے۔ جدید مسائل میں تدبر وتبحر اور وحی الٰہی کی روشنی میں ان کا محاکمہ ومحاسبہ دونوں تحریکوں کا امتیاز ہے۔

مغرب کی بالادستی کو جماعت اسلامی کے مصنفین نے چیلنج کیا اور اس کے تمام فلسفہ وسائنس کے تار وپود بکھیر کے رکھ دیے۔ افکار ونظریات مغرب پر علمی تنقید سید مودودیؒ کی دل چسپی کا خاص موضوع ہے۔ وہ اسے جاہلیتِ خالصہ سے تعبیر کرتے ہیں۔۴؎ بعینہ یہی تنقید اخوانی ادیبوں اور قلم کاروں کی ہے۔ محمد قطب (۱۹۱۹۔۲۰۱۴ء) کی معرکہ آرا تصنیف جاهلية القرن العشرين اس کی نمایاں مثال ہے۔۵؎

## نظام تربیت کی قربت

جماعت اسلامی اور اخوان المسلمون کے نظام تربیت میں مشابہت پائی جاتی

ہے۔اس سلسلے میں جماعت اسلامی پاکستان کے رہنما حافظ محمد ادریس نے لکھا ہے:

''دونوں تحریکوں نے اپنے اپنے کارکنوں کو سبق دیا ہے کہ پہلے اپنی زندگی پر اسلام کو نافذ کریں اور پھر اللہ کی زمین پر اس کے نفاذ کی جدّ وجہد میں لگ جائیں۔اسلام کے احکام کی روشنی میں اطاعتِ امیر اور کارکنان کے اندر باہمی تعاون ومحبت اِن تحریکوں کا طرّہ ٔ امتیاز ہے۔ اخلاق وقانون کے دائرے میں رہتے ہوئے طویل منصوبہ بندی اور غیر عاجلانہ حکمت وبصیرت اورفراست پرمبنی اقدامات دونوں تحریکوں کا بنیادی وصف ہے۔نظم وضبط اور دعوت وتبلیغ وہ خصوصیات ہیں جن میں اِن تحریکوں کا مقابلہ کوئی دوسری تنظیم نہیں کرسکتی۔''[۶]

اخوان المسلمون کے دوسرے مرشد عام شیخ حسن بن اسماعیل الھضیبیؒ (۱۸۹۱ء-۱۹۷۲ء) کا اصلاحِ نفس پر شدید موقف عالم عرب میں ضرب المثل ہے۔وہ ۲۷/برس تک شریعت عدالت میں جج رہ چکے تھے اور عدالت عالیہ میں قانونی مشیر ہونے کا اعزاز بھی انہیں حاصل تھا۔اُن کا جملہ اخوان کے موقف کی سچی ترجمانی ہے:

قیموا دولة القرآن فی نفسکم تقُم فی اَرضکم[۷]

''قرآن کی حکومت اپنے دلوں میں قائم کرلو،زمین پر یہ خود بخود قائم ہوجائے گی۔''

جماعت اسلامی اوراخوان المسلمون کی اس نظریاتی ہم آہنگی اورفکری مشابہت کو دیکھ کے مخالفین نے دونوں تحریکوں پر یکساں الزامات لگائے ہیں۔جماعت اسلامی پاکستان پر یہ الزام لگایا گیا کہ اس نے اخوان کے ادیبوں اور دانش وروں سے خوشہ چینی کی ہے۔ جو کچھ یہ لوگ مصر اور عالم عرب میں دیکھتے ہیں اُسی کو اپنے ہاں اردو میں منتقل کرلیتے ہیں۔دوسری طرف یہی الزام اخوان کے مخالفین نے بھی عالم عرب میں دہرایا کہ یہ لوگ جماعت اسلامی کے افکار پھیلا رہے ہیں۔سید مودودیؒ کی تفہیم القرآن اورسید قطب (۱۹۰۶ء-۱۹۶۶ء) کی فی ظلال القرآن میں کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ ایک بارکسی نے سید قطب کے سامنے یہ اشکال پیش کیا کہ اُن کی تحریریں سید مودودیؒ کی

کتابوں کا پتہ تو معلوم ہوتی ہیں تو انھوں نے فرمایا: مصدرُنا واحد ﴿ہمارا فکری سرچشمہ ایک ہے۔﴾ یہ دولفظی جواب ایک لمبے مضمون بلکہ ضخیم کتاب پر بھاری ہے۔

## نظریہ کاری وافراد سازی

فکری یکسانیت اور نظریاتی مشابہت کے باوجود دونوں تحریکوں کی ترجیحات، اسلوب وطریق کار اور مسائلِ تخاطب میں تنوّع اور تفاوت بھی موجود ہے۔ یہ تفاوت کہیں کہیں اتنا عمیق و وسیع ہے کہ اس کے دوررَس اثرات محسوس ہوتے ہیں۔ سید مودودیؒ نے تالیف وتصنیف کی طرف زیادہ توجہ دی۔ افکار کی تشکیل وتعمیر ان کی ترجیحات میں شامل تھی۔ جماعت اسلامی کی تشکیل سے پہلے جو صحافتی وادبی زندگی انہوں نے گزاری اس کی معنویت غیر اسلامی افکار پر ان کی تنقید ومحاکمہ سے سمجھ میں آتی ہے۔ متحدہ قومیت اور مسلم قومیت کے فتنوں پر انھوں نے کاری ضرب لگائی۔ انڈین نیشنل کانگریس کے دام ہائے ہم رنگ زمین کو بے نقاب کیا۔ الجہاد فی الاسلام جیسی معرکہ آرا کتاب لکھ کر اسلام کے نظریۂ جہاد کا مدلل دفاع کیا۔ ضبط ولادت، سود، پردہ، سنت کی آئینی حیثیت، فتنۂ انکار حدیث، فتنہ استشراق مغرب کی علمی وحربی استعماری ذہنیت پر انہوں نے بڑی جرأت وفراست کے ساتھ قلم اٹھایا۔ قرآن کریم کی تفسیر 'تفہیم القرآن' اردوئے مبین میں لاثانی ہے، بلکہ دورِ جدید کے تفسیری ادب میں شاہ کار ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں اس کے تراجم اور مقبولیت نے تفسیر کی طباعت واشاعت کے تمام ریکارڈ توڑ دیے۔ فکری ونظریاتی سطح پر سید مودودی کی یہ عظیم الشان خدمت دنیا کی تمام تحریکوں پر بھاری ہے، جب کہ بانی اخوان المسلمون شیخ حسن البنا کا پورا زور افراد سازی پر رہا۔ ایک بار کسی نے اُن سے پوچھا: لماذا لاتُصنّف الکتب؟ (آپ کتابیں کیوں نہیں لکھتے؟) حسن البنا نے جواب دیا: اُصنّف الرجال۔ ''میں افراد سازی اور مردم گری کرتا ہوں!''

یہ حسن البنا کی اپنی ترجیح تھی۔ انہیں کتابیں لکھنے سے زیادہ ضروری افراد کی فکری تربیت اوراحیائے دین کے لیے انہیں تیار کرنا محسوس ہوتا تھا۔ اخوان کی تشکیل سے

پہلے دارالعلوم قاہرہ میں ۱۹۲۰ء میں تعلیمی سال کے آخری ایام میں اُن کے استاد شیخ احمد یوسف نجاتی نے مضمون نگاری کے لیے جو موضوع دیا وہ تھا: تعلیم ختم کرنے کے بعد آپ کا منصوبہ؟ اوراس کی تکمیل کے ذرائع؟ حسن البنا نے اپنے مضمون میں معلّمی کا پیشہ اختیار کرنے کو ترجیح دی۔

شیخ حسن البنا کی، دورِ طالب علمی کی یہ خواہش اُن کی تمام سعی وجہد پر حاوی رہی۔ یادداشت تو وہ قلم بند کرتے تھے اور اُس کی اتنی فکر تھی کہ ۱۹۴۳ء میں پولیس نے ان کی ذاتی ڈائری پر قبضہ کرلیا اوران میں لکھے ہوئے الفاظ کے دورازکار معانی پہنائے اور زبردستی کے نتائج نکالے، تب زندگی کے آخری دنوں میں یادداشت دوبارہ مرتب کی، مبادا کہ استبداد زمانہ یادوں کے اس سرمایہ کوفراموش کردے۔

واختلاف اللیل والنہار ینسی[۱۶]

''گردش لیل ونہار سب کچھ بھلا دیتی ہے۔''

اس کے علاوہ بعض دیگر مختصر تحریریں بھی حسن البنا شہید کی یادگار ہیں، تاہم ان کا میدان تخصص خطابت ہے۔ اسی کے ذریعہ انھوں نے سادہ اور عام فہم انداز میں کسانوں، مزدوروں اور قہوہ خانوں میں بیٹھنے والے لوگوں کو متاثر کیا اور اپنی سحر آفریں شخصیت کے گرد جمع کیا۔ انھوں نے اپنی یادداشت میں متعدد ایسے واقعات لکھے ہیں جن سے تحریک کے عوامی طریقِ کار پر روشنی پڑتی ہے۔[۱۰]

## تعلیم یافتہ افراد یا عوام سے تخاطب

جماعت اسلامی کے مخاطب شروع سے تعلیم یافتہ افراد رہے، خواہ علمائے مدارس اسلامیہ ہوں یا فضلائے علوم عصریہ۔ سید مودودیؒ نے رسالہ ترجمان القرآن لاہور سے اپنی تحریکِ اصلاح وتجدید کا آغاز کیا اور آج تک تعلیم یافتہ افراد ہی اُس کے اصل مخاطب ہیں۔ اس کی دلیل جماعت کے ذمہ داروں نے یہ دی ہے کہ پڑھے لکھے لوگ معاشرہ کے رہنما ہوتے ہیں۔ وہی اپنے محلے اور علاقے پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ انہیں دعوت واقامت دین کے لیے مطمئن اور آمادہ کرلیا جائے تو عوام کی بڑی تعداد اُن کے زیر اثر

علاقوں میں خدمت دین کے لیے از خود کمر بستہ ہو جائے گی۔ حافظ محمد ادریس نے اس پہلو سے بھی جماعت اسلامی اور اخوان کا تقابل کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ اخوان کے مرشد عام ۴۳ سال کی عمر میں ۱۹۴۹ء میں شہید کر دیے گئے۔ شہادت سے قبل انھوں نے زندگی کے ہر شعبے میں تنظیمیں قائم کر دی تھیں۔ ٹریڈ یونینوں میں اخوان کا کام آغاز ہی سے بڑا منظّم تھا اور دیہاتی آبادیوں کے مزارعین اور کسان اس تحریک کا ہراول دستہ تھے۔ جماعت اسلامی نے بھی شروع میں اپنے پروگراموں میں ان جملہ شعبوں کو منظّم کرنے کا عزم کیا تھا۔ ”بدقسمتی سے عملاً یہ کام بہت تاخیر سے شروع ہوا اور اُس طرح کی مقبولیت نہ حاصل کر سکا، جس طرح اخوان کو اس میدان میں قبولِ عام ملا تھا۔“ اور دیہات میں بسنے والی اسّی فی صد آبادی ہنوز جماعت سے کافی دور ہے، الا ماشاء اللہ۔[۱۱]

تقریباً اسی طرح کا تجزیہ محمد فتحی عثمان چیف ایڈیٹر ماہ نامہ Arabia لندن نے، جو ایک معروف ادیب اور دانش ور اخوانی ہیں، دسمبر ۱۹۸۴ء کے شمارہ میں کیا ہے۔ مضمون اصلاً مولانا مودودی کی فکر اور جدّ وجہد پر ایک بہترین خراج عقیدت ہے، تاہم مضمون نگار نے جستہ جستہ حسن البنّاؒ اور سید مودودیؒ کا تقابلی تجزیہ بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ”حسن البنّاؒ نے آغاز میں تنظیم کی جانب توجہ دی اور معاشرے کے جملہ طبقات، خصوصاً دیہاتی آبادیوں کو تحریک سے روشناس کرایا۔ اس کے برعکس سید مودودیؒ نے تحریر وصحافت سے اصلاح کا آغاز کیا اور تنظیم کے قیام سے قبل اس کے خدّ وخال اور اس کا فکری خاکہ نہایت جامع اور وزنی دلائل کے ساتھ عامۃ المسلمین کے سامنے پیش کیا۔“[۱۲]

حسن البنا شہید کے اس عوامی مزاج کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اخوان کی تشکیل سے پہلے وابستگی اختیار کی تھی جب وہ طالب علم تھے، انھوں نے مختلف عوامی اصلاحی تنظیموں سے وابستہ تھے۔ جب وہ ہائی اسکول کے طالب علم تھے اور مدرسہ الرشاد الدینیہ میں پڑھتے تھے، اس وقت جمعیۃ الاخلاق الادبیۃ کے سرگرم رکن تھے۔ کچھ دنوں کے بعد اس جمعیت کے صدر منتخب ہوئے۔ مدرسہ کے باہر کی اصلاحی

سرگرمیوں کے لیے جمعیۃ منع المحرّمات قائم ہوئی تو اس کے بانیوں میں شامل ہو گئے۔ ٹیچرز ٹریننگ کالج دمنہور میں داخلہ لیا تو وہاں ایک اصلاحی انجمن کا قیام عمل میں آیا۔ محمودیہ کے مشہور تاجر احمد آفندی سکری اس کے صدر مقرر ہوئے اور حسن البنا سکریٹری۔ اس کا نام: جمعیۃ الحصافیۃ رکھا گیا۔ اس کا کام تھا اخلاق فاضلہ کی طرف لوگوں کو بلانا اور حرام کاموں سے روکنا۔ اس جمعیت نے عیسائی مشنری خواتین کا بھی مقابلہ کیا۔ قاہرہ میں قیام کے دوران جمعیۃ مکارم الاخلاق کے رکن بنے اور اس کے جلسوں میں پابندی سے شرکت کرتے رہے۔ کچھ دنوں کے بعد قاہرہ میں جمعیۃ الشبان المسلمین کی تشکیل ہوئی تو حسن البنا نے ایک خط کے ذریعہ اس میں شمولیت اختیار کی اور باقاعدگی سے اسے چندہ دینا شروع کر دیا۔[۱۳]

ان مختلف دینی و اصلاحی انجمنوں میں بھرپور شرکت سے حسن البنا کا عوامی مزاج پہلے ہی تشکیل پا چکا تھا۔ اخوان المسلمون قائم ہوئی تو اس عوامی ذوق اور تجربے کو وسیع تر کارگاہ مل گئی اور چند سالوں کے اندر ہی اخوان ایک عوامی تحریک بن کر ابھرے۔

## دماغ یا دل کو خطاب

بانی جماعت اسلامی کی تحریروں میں تعقّل اور تفلسف ہے۔ دماغ سے خطاب ہے، اسی لیے پُر زور استدلال ہے۔ منطقی استنباط اور تشریحی انداز بیان ہے۔ جدید و قدیم مثالوں کی کثرت ہے۔ صغریٰ و کبریٰ مقدمات کی ترتیب اور عقلی نتیجۂ فکر ہے۔ اس منہج استدلال کی خوبی ہے کہ مخاطب قرآنی اسلوبِ استدراج کے مطابق مقدمات کی تنظیم و ترتیب میں اس طرح پھنستا چلا جاتا ہے کہ آخر کار نتیجہ کو تسلیم کر لینے کے سوا اس کے سامنے کوئی راستہ نہیں بچتا۔

اخوان المسلمون کے دانش وروں کی تحریروں میں دماغ سے زیادہ دل سے خطاب ہے۔ وہ جذبات کو اپیل کرتے اور دل کے تاروں کو چھوتے ہیں۔ اسی لیے آیات و احادیث، آثار و قصص اور اشعار و حکایات کا استعمال ان کی تحریروں میں زیادہ ہے۔

ہاں، محمد قطب کی تحریریں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ان کی تحریروں میں استدلال کی چاشنی اور تفلسف کی گہرائی زیادہ ہے ۔حسن البنا کے رسائل میں دل کی حرارت اور تپش کو بدرجۂ کمال محسوس کیا جاسکتا ہے۔اُن کی خطابت کے جونمونے اب تک دستیاب ہو سکے ہیں ان میں کارفرما اسلوب بڑا موثر اور جذبات کو دستک دینے والا ہے۔

## حسنِ تنظیم اور جدّتِ فکر

جماعت اسلامی میں سید مودودیؒ کے بعد مصنفین اور قلم کاروں کی کمی کبھی محسوس نہیں ہوئی۔ ہندوپاک کی دونوں جماعتوں نے اسلام کے مختلف پہلوؤں کی دل نشیں تشریح اور باطل افکار ونظریات کی علمی تنقید پر بھرپور لٹریچر تیار کیا ہے اور اس میدان میں ان کی خدمات تمام تنظیموں اور اداروں پر بھاری ہیں۔پاکستان کی جماعت اسلامی میں میاں طفیل محمد، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا خلیل احمد حامدی، جناب عبدالحمید صدیقی، پروفیسر خورشید احمد، پروفیسر انیس احمد، ،چودھری غلام محمد، ملک غلام علی، جناب نعیم صدیقی، جناب سید اسعد گیلانی، جناب آباد شاہ پوری، جناب خرم جاہ مراد، محترمہ مریم جمیلہ، جناب ثروت صولت، حافظ محمد ادریس اور جناب سلیم منصور خالد، جیسے قلم کاروں کی کہکشاں موجود ہے۔جماعت اسلامی ہند کے ارباب قلم میں مولانا ابواللیث اصلاحی ندوی، مولانا صدرالدین اصلاحی، مولانا سید احمد عروج قادری، جناب افضل حسین، مولانا سید حامد علی، مولانا سید جلال الدین عمری، ڈاکٹر فضل الرحمٰن فریدی، ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری، مولانا کوثر یزدانی ندوی، مولانا محمد فاروق خاں، ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی، مولانا محمد یوسف اصلاحی، جناب مائل خیرآبادی، ڈاکٹر ابن فرید، جناب ابوسلیم محمد عبدالحئی، مولانا محمد عنایت اللہ سبحانی، ڈاکٹر محمد رفعت، مولانا سلطان احمد اصلاحی، ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، مولانا سراج الدین ندوی اور مولانا نسیم احمد غازی فلاحی جیسے علماء اور دانش وروں نے اسلام کی حقانیت پر کتابیں لکھیں اور اصلاح معاشرہ کی مہم میں بھرپور کردار ادا کیا۔

تاہم اس میدان میں اخوانی ادیبوں، دانش وروں اور مفکروں کا پلہ بھاری ہے۔

سید قطب شہید، پروفیسر محمد قطب، حسن اسماعیل الہضیبی ،عبدالقادر عودہ شہید، محمد الغزالی، مصطفیٰ السباعی، البہی الخولی، مصطفیٰ الزرقاء، فتحی یکن، سعید حویؒ، زینب الغزالی، سعید رمضان، عصام العطار، یوسف القرضاوی، محمد عبدالحلیم، السید عمر تلمسانی، ڈاکٹر محمد البدیع، احمد رائف، مصطفیٰ مشہور، مصطفیٰ محمد الطحان، ڈاکٹر طٰہٰ جابر العلوانی، ڈاکٹر عماد الدین خلیل، عبدالفتاح ابوغدّہ، محمد محمود الصواف، ڈاکٹر نجیب الکیلانی ایسے علماء، ادباء اور مفکرین ہیں جنہوں نے اپنے علم وفضل، معیارِ تحقیق اور زور استدلال کا سکّہ اپنے معاصرین سے منوایا ہے۔علم وادب کے متعلقہ میدانوں میں اُن کی خدمات مسلّم ہیں۔اُن کے ہاں ادب کی چاشنی ہے، فکر کی ندرت ہے، موضوعات کا تنوع ہے، موثر استدلال ہے اور دلوں کو موہ لینے والا اسلوب ہے۔[۱۴]

حافظ محمد ادریس کے بقول اگر ہم جماعت اسلامی اور اخوان المسلمین کا گہرا تجزیہ کریں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ آنے والی نسلوں میں جماعت اسلامی کے ہاں بانی کے زورِ قلم اور اجتہادِ فکر کا تسلسل ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے، جب کہ اخوان میں اس کی کڑیاں مستقبل میں مسلسل ملتی ہوئی نظر آتی ہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اخوان کے اکثر مصنفین کے ہاں فکر کی ندرت ہے، موضوعات میں جدّت ہے، تحریر میں رسوخ اور اساسیت ہے، جب کہ جماعت اسلامی کے فضلاء میں سے اکثر کی تحریریں اپنی اعلیٰ قدر و قیمت اور وسیع تر افادیت کے باوجود مرتّب شدہ مواد کی حیثیت رکھتی ہیں جن میں حسنِ ترتیب و تنظیم تو موجود ہے، مگر فکر کی جدّت کا فقدان ہے۔[۱۵]

جماعت اسلامی کے فضلاء پر اس عمومی تجزیہ سے استثنا کی پوری گنجائش موجود ہے۔ جماعت اسلامی ہند کے اربابِ علم میں سے دو افراد کا بطور خاص یہاں تذکرہ ضروری ہے: ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی اسلامی معاشیات کے فن کو اعتبار واستناد کا مقام دلانے والے مفکرین میں سرفہرست ہیں۔انہوں نے مقاصد شریعت کے حوالے سے مختلف نئے موضوعات پر علمی کام کرنے کی ضرورت کا احساس دلایا ہے اور بلاشبہ جدّت فکر اور اجتہادی بصیرت ان کی تمام تحریروں میں کارفرما ہے۔مولانا سلطان احمد اصلاحی کی سماجی

وعمرانی موضوعات پر ندرتِ فکر اور تخلیقیت سے مزین نظر آتی ہیں۔ اسلام کا نظریۂ جنس، مشترکہ خاندانی نظام اور اسلام، بندھوا مزدوری اور اسلام، پردیس کی زندگی اور اسلام، کم سنی کی شادی اور اسلام، بچوں کی مزدوری اور اسلام، وحدت ادیان کا نظریہ اور اسلام، وہ موضوعات ہیں جو ان کی فکری وقلمی جولان گاہ بنے۔ ان موضوعات پر اتنی شرح وبسط کے ساتھ اور مستند حوالوں کے روشنی میں کوئی تحریر اردو کے دینی ادب میں موجود نہیں۔ مولانا اصلاحی نے بے پناہ علمی ریاضت کی، اجتہادی صلاحیت سے کام لیا اور دینی واصلاحی ادب کو ثروت مند بنایا۔ ان دونوں شخصیات کے ہاں فکر کی ندرت بھی ہے اور اجتہاد وابتکار کی قدرت بھی۔ برصغیر کے مسلمانوں کا عمومی مزاج روایت پرستی کا ہے۔ اُن کی اکثریت مقلّدانہ ذہنیت کی علم بردار ہے۔ اس لیے تحریک اسلامی کے حلقے میں بھی انہیں وہ پذیرائی نہ مل سکی جس کے وہ حق دار تھے۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ ان مفکرین کی تحریروں نے اردو ادب کو نئی بلندیوں سے ہم کنار کیا۔

## روایتی - جدید بیانیہ

جماعت اسلامی کے مفکرین واصحاب قلم میں علمائے دین کی بہتات ہے۔ جماعت کی فکری اٹھان، پالیسی وپروگرام پر اس طبقہ کے اثرات نمایاں ہیں۔ جماعت کا تیار کردہ لٹریچر مولانا مودودی کے بعد بیشتر علمائے مدارس کا مرہون منت ہے۔ اس کے مثبت ومنفی دونوں قسم کے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ مثبت اثر یہ ہے کہ روایاتِ اسلام سے وابستگی میں اضافہ ہوا ہے، شعائر اسلام کا احترام بڑھا ہے، عوام الناس میں جماعت کی قدردانی اور مقبولیت کا تناسب بڑھا ہے اور علمائے دین اور مدارس اسلامیہ میں جماعت اسلامی کا تعارف وسیع پیمانے پر ہوا ہے۔ نقصان یہ ہوا کہ جماعت کی عمومی کارکردگی، پالیسی وپروگرام، بیانیہ اور انداز فکر پر علماء کے اثرات زیادہ ہیں۔ قرآن وسنت سے راست تعامل کا دعویٰ کرنے کے باوجود تاریخ کے تعامل اور روایات ورسوم کے حصار سے جماعت باہر نہیں نکل سکی ہے۔

اخوان المسلمون کی صفوں میں ادیب وشاعر، قانون داں، دانش ور، ڈاکٹر اور انجینئر، جدید تعلیم یافتہ حضرات کی کثرت رہی ہے، اسی لیے ان کی منصوبہ بندیوں، فکری مباحث اور قومی وملکی مسائل سے متعلق اُن کے رویوں میں اختراع وابتکار اور تخلیق واجتہاد کے اثرات صاف محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ اخوان نے دورِرسالت سے راست فیض یابی کے نتیجے میں خواتین کی سماجی حصہ داری کو یقینی بنایا اور ملک وملت کی تعمیر میں ان کی شراکت کی نظری وعملی تائید کی ہے۔ اسی کے نتیجے میں یہ ممکن ہوسکا کہ عرب بہاریہ میں دین پسند خواتین کی بھرپور شرکت رہی، جب کہ جماعت اسلامی کا بیانیہ روایت پرستی کے خول سے باہر نہ نکل سکا۔ اس کے مفکرین اور دانش ورشمع خانہ بہ مقابلہ شمع محفل کے مکالمہ کے گرد ہی طواف کرتے رہے۔ دورِرسالت میں خواتین کو حاصل شدہ حقوق اور آزادیاں فقہ کی بے جا تاویلات، روایات پرستی کی من مانی تشریحات اور عصر جدید کی فتنہ سامانیوں کی آڑ میں ملفوف رہیں۔ آج صورت حال یہ ہے کہ معاشرہ میں خواتین کے سماجی وسیاسی حقوق پر کوئی مؤثر اور دل آویز گفتگو طلب جماعت کے لٹریچر میں موجود نہیں ہے۔

## تصوف کی مخالفت یا اصلاح

سید مودودی اور جماعت اسلامی نے بالعموم تصوف کی مخالفت کی۔ طبقۂ صوفیہ کی خدمات کو مشکوک ونامعتبر اور قابل تنقید وتجزیہ تصور کیا۔ آگے چل کر اسلامی اور غیر اسلامی تصوف کی تقسیم عمل میں آئی۔ فلسفیانہ اور راہبانہ تصور کو مسترد کیا گیا اور قرآنی سلوک کو، جسے احسان وتزکیہ سے یاد کیا گیا ہے، قابل قبول قرار دیا گیا۔ مولانا سید احمد عروج قادری نے 'اسلامی تصوف' کے نام سے کتاب تصنیف کی اور جماعت اسلامی ہند کے ترجمان ماہ نامہ زندگی رام پور میں غیر اسلامی تصوف پر مضامین لکھے، جنہیں ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے ترتیب وتدوین کے بعد 'تصوف اور اہل تصوف' کے نام سے شائع کیا۔ میاں طفیل محمد نے شیخ علی ہجویریؒ (متوفی ۴۵۶ھ/۱۰۶۳ء یا ۴۶۴ھ/۱۰۷۱ء) معروف بہ داتا گنج بخش کی معروف کتاب 'کشف المحجوب' کا اردو میں ترجمہ کیا، توضیحی حواشی کا اضافہ کیا اور

فارسی زبان میں اولین معیاری کتابِ تصوف ہندوپاک کے تحریکی حلقوں میں رائج ہوئی۔ تاہم تصوف اور صوفیۂ کرام کے سلسلے میں تحریک اسلامی کا رویہ بہ حیثیت مجموعی منفی رہا۔ اگست ۱۹۷۵ء میں ادارۂ تعلیم و تحقیق، پنجاب یونی ورسٹی لاہور کے طلبہ کے ایک وفد نے مولانا مودودیؒ سے ملاقات کی اور تزکیۂ نفس کے متعلق تحریک اسلامی کا نقطۂ نظر معلوم کرنا چاہا تو انہوں نے ایک مثال سے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی۔ ایک آدمی جو تیرنا نہیں جانتا، آپ اسے پیراک بنانا چاہتے ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ آپ اُسے خشکی پر لٹا کر بتائیں کہ یوں ہاتھ پاؤں مارا کرو، اس طرح تمہیں تیرنا آجائے گا۔ اس طرح سے برسوں مشق کرنے کے باوجود جب پہلی دفعہ وہ پانی میں اترے گا، ڈوب جائے گا، اس لیے کہ تیرنے کی مشق تو پانی ہی میں ہوسکتی ہے، پانی سے باہر نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح سے وہ تزکیۂ نفس جو خانقاہوں اور عزلت کے گوشوں میں حاصل ہو، کسی کام کا نہیں۔ اصل تزکیۂ نفس وہ ہے جو باطل کی قوتوں کے ساتھ کش مکش اور ٹکرانے کے دوران میں ہوتا ہے۔ آخر میں مولانا مودودی نے فرمایا:

> ''......اور وہ تزکیۂ نفس جو خانقاہوں میں ہوتا ہے وہ لوگوں کو صرف پیر بنانے کے کام آتا ہے۔ اس سے اچھے پیر تیار ہوسکتے ہیں یا تعویذ گنڈے کا کام اچھا چل سکتا ہے، لیکن اس طرح کے تزکیۂ نفس سے آپ چاہیں کہ دین غالب آجائے گا، یہ ممکن نہیں، بالکل ممکن نہیں۔''[۱۶]

حسن البنا شہید نے بھی تسلیم کیا ہے کہ صوفیہ کی دعوت 'تربیت وسلوک' کی حدود میں محصور نہ رہی۔ بعد کے ادوار میں تربیت کے یہ اصول انفرادی ذوق اور وجدان کے تابع بن گئے۔ فلسفہ، منطق اور دوسری قوموں کے افکار وعلوم کا اس میں اختلاط ہوا۔ ''ہر زندیق، ملحد، فاسد الرائے اور فاسد العقیدہ شخص کے لیے بے شمار ایسے چور دروازے کھل گئے جن سے وہ اس دین میں داخل ہوگیا اور یہ سب کچھ تصوف وسلوک، دعوت الی اللہ، زہد وتقشّف اور اعلیٰ روحانی نتائج کے حصول کے نام پر ہونے لگا۔ اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس قسم کے زنادقہ نے اس نقطۂ نظر سے جو کچھ لکھا ہے وہ اس قابل ہے کہ

اللہ کے دین کا مطالعہ کرنے والے اور اس دین کو بے آمیز اور خالص دیکھنے کی خواہش رکھنے والے بڑی دقّت نظر سے اس کا جائزہ لیں۔'' [۱۷]

شیخ حسن البنا کو تسلیم ہے کہ تصوف کے اصول وقواعد نفسِ انسانی کی تعلیم وتربیت کے لیے نہایت مؤثر ہیں اور اس بارے میں صوفیۂ کرام کے ارشادات کا وہ اثر ہوتا ہے جو کسی دوسرے کلام کا نہیں ہوتا، لیکن تصوف میں بے شمار دوسری چیزوں کی آمیزش نے ان تمام فوائد کو ختم کر کے رکھ دیا ہے۔ بنیادی طور پر حسن البنا تصوف اور علوم تصوف کی افادیت کو تسلیم کرتے ہیں اور اسے 'تربیت وسلوک' کے نام سے یاد کرتے ہیں:

> ''حقیقت یہ ہے کہ یہ اسلام کا مغز اور اس کا عطر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صوفیہ نے نفسِ انسانی کے علاج اور ترقی کے لیے اس علم کو اس درجۂ کمال تک پہنچا دیا تھا جس تک کوئی اور نظام تربیت نہ پہنچ سکا اور یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ صوفیۂ کرام نے وابستہ لوگوں کو فرائض کی ادائیگی، منہیات سے اجتناب، اخلاص سے توجہ الی اللہ اور حسن عمل پر آمادہ کر لیا تھا۔'' [۱۸]

طبقۂ صوفیہ کی اصلاح وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ حسن البنا شہید صراحت کرتے ہیں:

> ''اگر ان کی صحیح راہنمائی کی جائے تو میرے خیال میں یہ لوگ سب سے پہلے اصلاح قبول کریں گے اور اس کام کے لیے اس کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں کہ چند نیکوکار صالح اہل علم اور چند سچے مخلص واعظ جمع ہوجائیں، صوفیۂ کرام کے حالات کا مطالعہ کریں اور تصوف کے پورے لٹریچر کا جائزہ لیں اور اس میں جو غیر اسلامی افکار جمع ہوگئے ہیں ان کو اس سے علیحدہ کر دیں۔ اس طرح عوام کی یہ قیادت ایک صالح قیادت بن سکتی ہے۔'' [۱۹]

حسن البنا شہیدؒ نے تصوف کی مخالفت کرنے کے بجائے اس کی اصلاح وتطہیر کو زیادہ مفید تصور کیا۔ وہ خود طریقۂ حصافیہ سے وابستہ تھے۔ صوفیہ ومشائخ سے اُن کے

تعلقات بڑے نیز زمندانہ تھے۔ طبقۂ صوفیہ سے مفاہمت کی سنجیدہ کوشش اُن کی منصوبہ بندی کا حصہ تھی۔ اپنی یادداشت میں انہوں نے طریقۂ حصافیہ کے متعدد مشائخ کے نام لکھے ہیں، جن سے راہ ورسم نبھانے کی انہوں نے کوشش کی اور انہیں دعوت واصلاح کی مثبت اور تعمیری جد وجہد میں استعمال کیا۔

## جمہوری جدّ وجہد اور تشدّد کی مخالفت

دنیا کی تمام اسلامی تحریکوں اور مزاحمتی تنظیموں میں جماعت اسلامی ہندوپاک کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے جمہوری وآئینی جدّ وجہد کے ذریعہ اسلامی تبدیلی کا راستہ اختیار کیا، پُرامن اور دستوری طریق کار ہی کی حمایت کی، مطلوبہ مقاصد کے حصول کے لیے غیر آئینی اور غیر دستوری راستوں کی کبھی تحسین نہیں کی، فوجی انقلاب، زیرِ زمین کارروائی، پُرتشدد طریقے کا ہمیشہ انکار کیا۔ سخت حالات میں بھی، آئین وقانون کی صریحاً پامالی کے باوجود، غیر جمہوری طریقۂ کار کی کبھی حمایت نہیں کی۔ بانی تحریک کی مسلسل اور متواتر جدّ وجہد آئین وقانون کی ہمیشہ پابند رہی۔

تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء کے دوران حکومت پاکستان نے مولانا مودودیؒ کو گرفتار کرلیا اور فوجی عدالت نے سزائے موت کا حکم سنادیا تو اُس وقت بھی وہ صبر وثبات کی چٹان بنے کھڑے رہے۔ ستمبر ۱۹۶۳ء میں ایک انٹرویو میں ان سے سوال کیا گیا کہ سزائے موت کی خبر سُن کر آپ کا فوری تاثر کیا تھا؟ مولانا نے بڑے سکون سے فرمایا:

> ''اصل میں یہ چیز کچھ مشتہر کرنے کی نہیں ہے۔ اس کے جواب میں جو کچھ آج میں کہوں گا اُسے غلط معنیٰ میں بھی لیا جاسکتا ہے۔ دراصل میں ایک مدت سے اس بات کا متمنی ہوں کہ موت آئے تو بعد کا مرحلہ بھی دیکھ لوں۔ اس وجہ سے مجھے ایک تو یہ بڑا اطمینان ہوا کہ چلئے اب موت کے دروازے سے گزر کر عالم آخرت کو دیکھنے کا موقع ملے گا اور دوسرے یہ کہ میں اُس شخص کا شکرگزار رہوں گا جو مجھے شہید کردے، تاکہ نجاتِ اخروی یقینی ہوجائے۔''[۲۰]

مولانا مودودیؒ نے زندگی بھر اس اصول کی پاس داری کی۔ نومبر ۱۹۶۸ء میں لندن میں سوال وجواب کی ایک نشست منعقد ہوئی۔ اس میں تشدد اور لاقانونیت کی راہ اختیار کرنے والے ایک گروہ سے اشتراک اور تعاون کے متعلق سوال ہوا تو مولانا مودودی نے صراحتاً کہا:

> ''ہم اس ملک (پاکستان) کی اصلاح کے لیے اٹھے ہیں، اسے خراب کرنے کے لیے نہیں۔ اللہ کے فضل سے تحریک اسلامی ایک منظّم تحریک ہے اور وہ صرف ایسے عناصر کے ساتھ مل کر کام کرے گی جو مُفسد اور غارت گر نہیں ہیں۔ تحریک اسلامی نہ تو کسی تخریب کار گروہ سے تعاون کرے گی اور نہ اُسے یہاں کام کرنے دے گی۔''[۲۱]

> ''جہاں تک توڑ پھوڑ کی کارروائیوں کا تعلق ہے اس ملک میں ایک ایسا عنصر موجود ہے جو ایسی کارروائیوں کے ذریعہ سے اقتدار پر قبضہ کرکے اشتراکی آمریت قائم کرنا چاہتا ہے۔ اشتراکی انقلاب آتا ہی توڑ پھوڑ کے ذریعہ سے ہے۔ ان کا فلسفہ یہی ہے کہ بُندوق کی نال انقلاب کا سرچشمہ ہے۔ اگر اس وقت ملک کے حالات توڑ پھوڑ کی طرف گئے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک اشتراکی انقلاب کے قریب آرہا ہے، لیکن یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ توڑ پھوڑ اور تشدّد کے ذریعہ کوئی مستحکم اور پائیدار نظام حکومت قائم نہیں کیا جاسکتا۔ لاطینی امریکہ اور افریقہ کے اُن ممالک کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جہاں اس قسم کی کارروائیوں کے بعد انقلاب لائے گئے اور پھر وہاں انقلاب در انقلاب کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اس لیے نہ ہم خود تشدّد کا راستہ اختیار کریں گے اور نہ دوسروں کو اختیار کرنے دیں گے۔''[۲۲]

۱۹۷۲ء میں ۱۷/اگست تا ۲۳/اگست داروغہ والا لاہور کے مقام پر اسلامی جمعیت طلبہ صوبۂ پنجاب کی ہفت روزہ تربیت گاہ منعقد ہوئی۔ اس موقع پر مولانا مودودی نے نوجوانوں کے مختلف سوالوں کے جواب دیے۔ ایک سوال تھا کہ موجودہ صورت حال

میں آئینی ذرائع سے انقلاب برپا کرنا مشکل ہوگیا ہے، کیوں کہ جن لوگوں سے تحریک اسلامی کے نوجوانوں کو سابقہ درپیش ہے وہ خود غیر آئینی ذرائع استعمال کررہے ہیں۔ مولانا مودودی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ فرض کیجیے، بہت سے لوگ مل کر آپ کی صحت بگاڑنے میں لگ جائیں تو کیا آپ ان کی دیکھا دیکھی خود بھی اپنی صحت بگاڑنے کی کوشش میں لگ جائیں گے؟ انہوں نے صراحت کی کہ غیر آئینی طریقوں کو اختیار کرنے کی دوصورتیں ہوتی ہیں: ایک علانیہ اور دوسری خفیہ۔ اور یہ دونوں طریقے خطرناک ہیں۔ آخر میں انہوں نے نوجوانوں کو نصیحت کی:

> ''میرا مشورہ ہمیشہ یہی رہا ہے کہ خواہ آپ کو بھوکا رہنا پڑے، گولیاں کھانی پڑیں، مگر صبر کے ساتھ، تحمل کے ساتھ، کھلّم کھلا علانیہ طور پر اپنی اصلاحی تحریک کو قانون، ضابطہ اور اخلاقی حدود کے اندر چلاتے رہیے۔ خود حضور ﷺ کا طریق کار بھی علانیہ اور کھلّم کھلا تبلیغ کا طریقہ تھا۔ ہم نے ہمیشہ اسی طریقے کو اپنایا ہے۔ آپ سے میری درخواست یہ ہے کہ آپ اپنی اخلاقی ساکھ کو کبھی نقصان نہ پہنچنے دیں اور غیر آئینی طریقوں کے بارے میں سوچنے والوں کی قطعاً حوصلہ افزائی نہ کریں۔''[۲۳]

حسن البنا شہید اور اخوان المسلمون نے بھی بحیثیت مجموعی جمہوری اور آئینی طریق کار کو اختیار کیا۔ ۱۲رفروری ۱۹۴۹ء کو خفیہ پولیس کے گماشتوں نے شبّان المسلمین کے دفتر کے سامنے سرِ بازار انہیں شہید کردیا۔ یہ وزیراعظم نقراشی پاشا کا دور تھا۔ ۸ردسمبر ۱۹۴۸ء کو مارشل لا آرڈیننس کے تحت اخوان کو خلاف قانون قرار دے کر پورے ملک میں جبر وتشدد کی ہولی کھیلنے کا آغاز پہلے ہی ہو چکا تھا۔ ان حالات میں ۱۷راکتوبر ۱۹۵۱ء کو شیخ حسن اسماعیل الھضیبی کو اخوان نے دوسرے مرشد عام کی حیثیت سے منتخب کیا۔ انہوں نے جبر وتشدد کے ماحول سے برانگیختہ نوجوانوں کو جمہوری اور آئینی حدود کا پابند بنانے کی سرتوڑ جدوجہد کی اور قوت وتشدّد کے استعمال سے روکنے کے لیے اپنی معروفِ زمانہ کتاب **دُعاۃ لا قُضاۃ** (داعی ہیں، مفتی یا داروغہ نہیں) مرتّب کی۔ اس دوران **جماعۃ التکفیر**

والہجرۃ قائم ہوگئی، جس کے رہنما شکری احمد مصطفیٰ کو وزیر اوقاف محمد حسین ذہبی کے قتل کے الزام میں ۲۹؍مارچ ۱۹۷۸ء کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔۲۴ شیخ الہضیبی نے اسی جماعت کے پُرتشدد، ہنگامہ خیز اور تکفیری نظریات کی تردید کے لیے یہ کتاب لکھی تھی، تاہم اس کی انتہا پسندی، جذباتیت اور اشتعالی ذہنیت کو اخوان کے سر منڈھ دیا گیا، کیوں کہ سید قطب کے افکار ونظریات میں انقلابیت کی گھن گرج موجود تھی اور اخوان نے بھی اپنے کارکنوں کی حفاظت اور دفاع کے لیے ایک مخصوص ماحول میں 'نظام خاص' کو مرتب کیا تھا، جسے بعد میں منسوخ کر دیا گیا۔

اخوان نے انتہا پسندانہ اور پُرتشدد طریق کار کی کبھی حمایت نہیں کی، تاہم سید مودودی کی طرح وہ نوجوانوں کے اندر جمہوری اور آئینی حدود کی پابندی کرنے پر شرح صدر نہ پیدا کر سکے۔اس کی سب سے بڑی وجہ مصری حکومت کا انتہائی جابرانہ ومتکبرانہ رویہ تھا، جو اس نے اسلام پسند نوجوانوں کے سلسلے میں اختیار کر رکھا تھا۔اس فرعونی ذہنیت کا احساس خود سید مودودی کو تھا۔انہوں نے ۷؍فروری ۱۹۷۶ء کو شریعت کالج، محمد بن سعود یونی ورسٹی کے طلبہ کے ایک وفد کو لاہور میں انٹرویو دیا تھا اور اس میں اعتراف کیا تھا کہ عالم عرب کے شیاطین سے پاکستان کا شیطان چھوٹا ہے۔۲۵

اخوان کے تیسرے مرشد عام السید عمر تلمسانی (۱۹۰۴-۱۹۸۶ء) نے الوطن العربی کو دیے گئے ایک انٹرویو میں مصری نوجوانوں کی انتہا پسندی کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا۔المجتمع کویت نے اپنی ۱۲؍فروری ۱۹۸۵ء کی اشاعت میں اس انٹرویو کے بعض اقتباسات شائع کیے۔ایک سوال کے جواب میں مرشد عام نے فرمایا تھا:

> ''تم لوگ اُن انسانیت سوز مظالم سے کیوں صرف نظر کر لیتے ہو جو نوجوانوں کے ساتھ مصری جیلوں میں روا رکھے جاتے ہیں؟ مصر کی جیلوں میں قید اسلامی فکر رکھنے والے نوجوانوں کو ایسی بہیمیت کا نشانہ بنایا جاتا ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ایسے غیر انسانی رویوں کے ردعمل کے طور پر اگر یہ نوجوان بھی سخت رویہ اختیار کر لیتے ہیں تو اس پر

حکومتی ذرائع ابلاغ وہ شور مچاتے ہیں کہ الامان والحفیظ۔''۲۶؎

مصری حکومت کی ان انتہائی سوز اور بہیمانہ کارروائیوں کا خمیازہ پورے عالم عرب کو بھگتنا پڑا۔فکر اسلامی کے علم بردار صالح نوجوان فکری تشدد اور انتہا پسندی پر اُتر آئے۔اخوان المسلمون نے اپنا دامن اس فکری انحراف سے بچائے رکھا،تاہم نوجوانوں کے فکری انحراف پر وہ بند نہ باندھ سکی۔ایک فرعونیت زدہ معاشرہ کا انجام یہی ہوتا ہے۔ظلم وجبر کی کوکھ سے ہی تشدد اور انتہا پسندی جنم لیتی ہے۔

## علمائے دیوبند واز ہر

جماعت اسلامی اور اخوان المسلمون کے درمیان تفاوت کا ایک مظہر اُن کے مخالفین کے درجہ واسلوب اور اثرات میں فرق وتنوع کا بھی ہے۔ہندو پاک میں علمائے دیوبند کی روایت پرستی،فقہی تصلّب،دوسرے مکاتب فکر سے بے نیازی معروف ہے۔وہیں اپنے علم وفضل،تقویٰ وطہارت کی وجہ سے اور مسلم معاشرہ پر گہرے اثرات رکھنے کی بناپر دعوت واصلاح کی ہر جدوجہد کے لیے اُن کی حمایت یا کم از کم غیر جانب داری ناگزیر معلوم ہوتی ہے۔مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا یہ تجزیہ نقل کیا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی اکثریت فقہ حنفی کی پیروی کرتی ہے،اس لیے یہاں اصلاح وتجدید کا فریضہ انجام دینے والی شخصیت فقہ حنفی کی رعایت ضرور کرے گی۔

برطانوی استعمار کے خلاف جدّوجہد کرنے والی تحریک آزادی میں علمائے دیوبند پیش پیش رہے۔اس کی وجہ سے وہ سیاسی اثر ورسوخ بھی رکھتے ہیں۔مسلمانوں کی دینی تعلیم وتربیت کا اولین ادارہ دارالعلوم دیوبند انہی کی مساعی حسنہ کا مرہون ہے۔ملک کے کونے کونے میں بکھرے ہوئے ائمہ مساجد،مدرسین،مفتیان، واعظین، قاضیان اکثر اسی ادارہ کے فیض یاب اور اسی فکر کے علم بردار ہیں۔اسی لیے علمائے دیوبند کی مخالفت جماعت اسلامی کو سب سے مہنگی پڑی اور اس کی قیمت اس نے سب سے زیادہ چکائی۔علمائے دیوبند کی مخالفت میں شدّت اور فکری انتہا پسندی کا حال یہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند

کے مفتی سعید احمد پالن پوریؒ نے شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی شاہ کار تصنیف حجۃ اللہ البالغۃ کا اردو ترجمہ 'رحمۃ اللہ الواسعۃ' کے نام پانچ جلدوں میں شائع کیا تو اس کے آخر میں انہوں نے 'ردِّ مودودیت' پر اپنا ایک طویل مقالہ بہ طور لاحقہ شامل کرنا ضروری سمجھا۔ دارالعلوم دیوبند آپسی اختلاف اور سیاسی رسہ کشی کی نذر ہوکر دو داروں میں تقسیم ہوگیا۔ اُن کی متحدہ طاقت منتشر ہوگئی۔ فرقہ پرست عناصر کی نگاہوں میں یہ ادارہ پہلے سے کھٹک رہا تھا۔ اب ان کی سازشوں میں تیزی اور قوت آگئی تو علمائے دیوبند کے ایک طبقہ نے دوسرے مکاتب فکر سے راہ و رسم استوار کی۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، کل ہند مسلم مجلس مشاورت اور مسلمانوں کے دوسرے متحدہ محاذوں میں ان کی سرگرم شرکت ہونے لگی۔ ادھر جماعت اسلامی ہند نے بھی علمائے امت سے رابطہ اور تفاہم کی مہم چلائی تو جماعت کے خلاف علمائے دیوبند کی حدّت میں کچھ کمی آئی ہے۔ اللہ کرے، غلط فہمیوں کا پردہ چاک ہو، قربت اور رابطے بڑھیں اور امتِ واحدہ کی سبیل پیدا ہو۔

مصر اور عالم عرب میں علمائے ازہر نے بحیثیت مجموعی اخوان المسلمون کے خلاف کوئی دینی و فکری مہم نہیں چلائی۔ جامعہ ازہر جمود سے اوپر اٹھ کر روشن خیالی، کشادہ فکری اور انسانیت نوازی کا گہوارہ بن چکا تھا۔ علوم دینیہ کے ساتھ علوم عصریہ اُس کے نصابِ درس کا حصہ بن چکے تھے۔ عالم اسلام کے مختلف حصوں سے آنے والے طلبہ و اساتذہ کے حسنِ تعامل نے روایت پرستی اور کورانہ تقلید کی دیواریں پہلے ہی منہدم کردی تھیں۔ مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فقہ کی تعلیم و تدریس نے فقہی توسع کے راستے کھول دیے تھے۔ شیخ حسن البنا نے ازہری علماء سے رابطہ بنایا اور ان کے علم و فضل سے استفادہ کیا۔

علمائے دیوبند محنتی، جفاکش اور کفاف پر گزارہ کرنے والے متدین مصلح اور داعی تھے اور امت مسلمہ کے درمیان زندگی گزارتے تھے۔ اسی لیے زمین میں اُن کی جڑیں گہری تھیں۔ علمائے ازہر حکومت کے ملازم اور وظیفہ خوار تھے۔ بیشتر مسجدوں اور مدارس میں سرکاری ملازم تھے اور امت سے اُن کا زمینی رشتہ نہ تھا، اس لیے عوامی حمایت اور پشت پناہی سے محروم تھے۔ ان حالات میں تحریک اسلامی کے خلاف اُن کی کوئی مہم جوئی

موثر نہ ہوسکتی تھی۔علماء نے اخوان پر الزامات واتہامات لگائے، لیکن یہ مہم کارگر نہ رہی۔

## دارورسن کے مرحلے

اخوان المسلمون اور جماعت اسلامی دونوں تحریکیں قید و بند اور دارورسن کے مرحلوں سے گزریں۔ سنت یوسفی کی ادائیگی دونوں تحریکوں نے کی۔ تمام آزمائشوں میں اپنے مقصد ونصب العین سے وفاداری دونوں تحریکوں کا مابہ الامتیاز رہا۔۱۹۵۳ء میں حکومتِ پاکستان نے سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کو پھانسی کی سزاسنائی اور اُن کے قریبی ساتھیوں کوطویل قید کی سزادی گئی۔ایک سال قبل اخوان کے رہنما عبدالقادرعودہ شہادت سے سرفراز کیے جاچکے تھے اور ۱۹۴۹ء میں شیخ حسن البنا کو گولیوں سے بھون دیا گیا تھا۔ قصرصدارت سے رحم کی درخواست کی بات آئی توسید مودودی نے ایمان ویقین سے بھرپور جواب دیا۔اس جواب کاایک ایک لفظ آبِ زر سے تحریر کیے جانے کے قابل ہے:

> ''سُن لو! موت اور زندگی کے فیصلے اس زمین پرنہیں، بلکہ آسمانوں پر ہوتے ہیں۔اگر میری موت کا وقت آچکا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت مجھے نہیں بچاسکتی اوراگر میری زندگی باقی ہے توتم بے شک الٹے لٹک جاؤ، مجھےنہیں مارسکتے۔رہارحم کی اپیل کا معاملہ تورحم کی بھیک صرف ایک ہی ہستی سے مانگی جاسکتی ہے، جوحیّ وقیّوم ہے۔تم سے تو میری جوتی کی نوک بھی معافی نہیں مانگے گی۔''

جماعت اسلامی بنگلہ دیش نے دارورسن کی سخت آزمائشیں جھیلیں، لیکن ہر امتحان میں وہ عزیمت وعظمت کی چٹان بنی کھڑی رہی۔ مشرقی پاکستان کے سقوط کے بعد جماعت کے رہنماؤں اور کارکنوں سے چُن چُن کر بدلہ لیا گیا۔محمد عبدالمالکؒ، مصطفیٰ شوکت عمرانؒ، محمد الیاسؒ، عطاء الرحمٰنؒ، عبدالحق بیوپاریؒ، محمد مجیب الرحمانؒ، عبدالوہابؒ، معین الدینؒ، عبدالباطنؒ، محمد یونسؒ، مصطفیٰ کمالؒ، محمد علیؒ، ابوالحسینؒ، ایسے ہزاروں نام ہیں جو اللہ ورسول سے عشق کے جرم میں شہید کیے گئے،ان کے اعضا کاٹے گئے،گوشت نوچا گیا، درختوں سے لٹکایا گیا، پانی میں ڈبویا گیا، زندہ گڑھوں میں دفن کردیا گیا:

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را[۲۷]

آج بھی جماعت اسلامی بنگلہ دیش کے رہنما اور کارکنان دار ورسن کی آزمائش سے گزر رہے ہیں اور صبر وثبات اور دعوت وعزیمت کی علامت بنے ہوئے ہیں۔اس کے رہنما، دانش ور اور کارکنان نام نہاد جنگی عدالتی ٹربیونل کے ظالمانہ فیصلوں اور حکومت وقت کی انتقامی کارروائیوں کا نشانہ بن رہے ہیں۔شہیدوں کی تعداد بڑھ رہی ہے: ۱۲؍دسمبر ۲۰۱۳ء کو عبدالقادر ملاّ کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا، ۱۱؍اپریل ۲۰۱۵ء کو قمرالزماں نے تختۂ دار کو چوما، ۲۲؍نومبر ۲۰۱۵ء کو علی احسن محمد مجاہد نے شہادت کی خلعت زیب تن کی، اُسی تاریخ کو صلاح الدین قادر چودھری کو بھی تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا، ۱۱؍مئی ۲۰۱۶ء کو مطیع الرحمٰن نظامی شہید کیے گئے اور ۳؍ستمبر ۲۰۱۶ء کو میر قاسم علی کا نام بھی شہداء کی فہرست میں درج کر دیا گیا۔

ہم جماعت اسلامی کے شہیدانِ راہِ وفا کو سلام کرتے ہیں اور ان کی ثابت قدمی اور سرفروشی کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں، نیز اخوان المسلمون پر جو مظالم ڈھائے گئے اور جس ہول ناک ابتلا سے انہیں گزرنا پڑا اور آج بھی جس کرب وبلا سے وہ گزر رہے ہیں اس کی کوئی نظیر دورِ جدید کی اسلامی تحریکوں کی تاریخ میں نہیں ملتی۔جیلوں میں اُن پر جو کچھ گزری اس کی روداد پڑھتے ہوئے بدن کا رواں رواں کانپ اٹھتا ہے۔یقین ہی نہیں آتا کہ بیسویں صدی کے حقوق انسانی کے عالمی دعووں کے اس دور میں یہ لرزہ خیز، شرم ناک اور توہین آمیز واقعات جنم لے سکتے ہیں۔اخوان کے تیسرے مرشدعام السید عمر تلمسانیؒ نے ایک انٹرویو میں بیان کیا تھا:

> ''مصری جیلوں میں ۱۹۵۴ء اور ۱۹۶۵ء میں خود ہمارے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا وہ ابلیس لعین کے بھی حاشیۂ خیال میں کبھی نہ آیا ہوگا۔''[۲۸]

مردوں کے ساتھ خواتین بھی اس زہرہ گداز، ناقابل یقین، نیز ایمان افروز ابتلا وآزمائش سے گزریں، محترمہ زینب الغزالی کی رودادِ اسیری ورہائی (ایام من حیاتی)

کا مطالعہ کر کے کیا جا سکتا ہے۔ ۲۹

## تحریک آزادی کے بارے میں تحفظات

جماعت اسلامی اور اخوان المسلمون میں اختلاف وتنوع کی ایک اور مثال اپنے اپنے ملکوں میں آزادی کی قومی ووطنی تحریکوں میں شمولیت سے متعلق ان کا موقف ہے۔ مولانا مودودیؒ نے اپنی صحافتی وسیاسی زندگی کا آغاز انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت اور انگریزی استعمار کی مخالفت سے کیا۔ انہوں نے اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے:

> ''۱۹۱۸ء میں میں نے اور میرے بھائی نے اخبار مدینہ بجنور میں مل کر کام کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں سیاسی تحریک کی زبردست ابتدا ہو رہی تھی۔ میں نے 'انجمن اعانت نظر بندانِ اسلام' میں بھی کام شروع کر دیا اور پھر ۱۹۱۹ء میں جب خلافت اور ستیہ گرہ کی تحریک کا آغاز ہوا تو اس میں بھی حصہ لیا۔ اُسی زمانہ میں میں نے گاندھی جی کی سیرت پر بھی ایک کتاب لکھی، مگر وہ ابھی زیر طبع ہی تھی کہ میرے ایک عزیز نے پولیس سپرنٹنڈنٹ سے اس کی شکایت کی اور اسے ضبط کر لیا گیا۔'' ۳۰

حکیم حسین خاں شفا (اسسٹنٹ لائبریرین رضا لائبریری رام پور) کی تحقیق کے مطابق مولانا مودودی نے اُس وقت دو کتابیں گاندھی جی اور مالویہ جی پر ایک ساتھ لکھی تھیں۔ برٹش حکومت، جو ہندو مسلم تفریق اور تصادم کے لیے ہر حربہ استعمال کر رہی تھی، اسے مولانا مودودی کا ہندو مسلم اتحاد، قومی یک جہتی اور کانگریس پارٹی کی حمایت میں کچھ لکھنا گوارا نہ تھا۔ لہٰذا مولانا کی ان دونوں کتابوں کو ضبط کر لیا گیا۔ گاندھی جی سے متعلق کتاب کے بارے میں اس وقت کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کا کیا حشر ہوا یا؟ البتہ حالات زندگی پنڈت مدن موہن مالویہ (۱۸۶۱۔۱۹۴۶ء) ۱۹۱۹ء میں دفتر تاج جبل پور سے شائع ہوئی۔ ۳۱ اس کا عکسی ایڈیشن خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ نے ۱۹۸۹ء میں شائع کیا۔ مولانا مودودی کی یہ اولین تحریر ہے۔ اُس وقت ان کی عمر صرف ۱۶ برس تھی، یعنی عنفوانِ شباب سے پہلے کا دور تھا۔ بعد میں انڈین نیشنل کانگریس کے جارحانہ

عزائم پوری طرح بے نقاب ہوئے، ملک میں بڑھتی ہوئی فرقہ واریت نے سیاسی تانے بانے بکھیر دیے، مولانا مودودی کا ذہنی وفکری ارتقا ہوا اور انہوں نے احیائے اسلام کی منصوبہ بندی شروع کی تو انہیں انڈین نیشنل کانگریس اور ہندومہاسبھا میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیا، گو اُن کے نام اور کام مصلحتاً جدا تھے۔ چنانچہ انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا: ''نظری حیثیت سے دونوں میں نہ پہلے فرق تھا نہ آج ہے۔ دونوں وطنی قومیت کی علَم بردار ہیں۔ دونوں اس ملک میں قوموں کے امتیازی وجود کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہیں۔''۳۲

۱۹۳۷ء کی ایک تحریر میں مولانا مودودیؒ نے صاف صاف لکھا تھا کہ ہندوستان کی آزادی کے لیے جنگ کرنا ہمارے لیے قطعاً ناگزیر ہے، مگر ہم جس قسم کی آزادی کے لیے لڑ سکتے ہیں اور لڑنا فرض جانتے ہیں وہ آزادی ہے ''جس میں کسی باشندۂ ہند کے ہندوستانی ہونے کی حیثیت اور اس کے مسلم یا ہندو یا عیسائی یا سکھ ہونے کی حیثیت میں کوئی تناقض نہ ہو، جس میں ہر گروہ کو دونوں حیثیتوں سے آزادی حاصل ہو، جس کی نوعیت یہ ہو کہ مشترکہ وطنی مسائل کی حد تک تو امتیاز مذہب وملت کا شائبہ تک نہ آئے، مگر جداگانہ قومی مسائل میں کوئی قوم دوسری قوم سے شمولیت نہ کر سکے۔''۳۳

آگے مولانا نے قطعیت سے لکھا:

> ''رہی وہ آزادی جو وطن پرستوں کے پیش نظر ہے تو اس کی حمایت میں لڑنا کیا معنی، ہم تو اسے انگریزوں کی غلامی سے بھی زیادہ ملعون سمجھتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اُس کے علم بردار مسلمانوں کے لیے وہی کچھ ہیں جو کلائیو اور ولزلی تھے۔۳۴

اس سیاق میں حسن البنا شہید اور اخوان المسلمون کا موقف بالکل مختلف رہا ہے۔ انہوں نے ادنیٰ تامل کے بغیر تحریک آزادی میں شرکت کی، وطن پرستوں کی قومی تحریکوں میں بھرپور حصہ لیا، تحریک آزادی میں شرکت کو مذہب کا حصہ گردانا اور اخوان کی پالیسی و پروگرام میں اسے شامل کیا۔ حسن البنا نے اپنے ایک رسالہ 'ہمارا ماضی وحال' میں اخوان کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''یاد رکھو! ہمارے دو اساسی مقصد ہیں: (۱) وطن اسلامی ہر اجنبی اقتدار سے آزاد ہو جائے کہ آزادی ہر انسان کا ایک فطری حق ہے جس کا انکار کوئی ظالم ڈکٹیٹر ہی کرسکتا ہے۔ (۲) اس آزاد وطن میں ایک آزاد اسلامی سلطنت قائم ہو، جو اسلام کے احکام پر عمل کرے، اس کے اجتماعی نظام کو نافذ کرے۔اس کے راست اصولوں کا اعلان کرے اور اس کی عدل پر مبنی دعوت کو تمام لوگوں میں عام کرے۔''۳۵

مصر کا انقلاب ۱۹۱۹ء میں واقع ہوا۔اس وقت حسن البنا کی عمر ۱۳؍سال تھی۔ طالب علم کی حیثیت میں انہوں نے ہڑتالوں میں حصہ لیا،مظاہروں میں شرکت کی، جلسوں میں قومی رہنماؤں کی تقریریں سنیں۔اپنی ڈائری میں لکھتے ہیں:

''وہ مناظر آج بھی میری نگاہوں کے سامنے ہیں جب شہر میں ہر طرف مظاہرے ہورہے تھے اور مکمل ہڑتال تھی۔شہر کے بڑے بڑے لوگ مظاہروں کی قیادت کرتے تھے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ کر جھنڈے اٹھاتے تھے۔مظاہرین جرأت و بہادری سے قومی ترانے گاتے تھے۔''۳۶

حسن البنا نے قومی اور وطن پسندانہ جذبات سے معمور ہو کر اشعار بھی کہے۔وہ لکھتے ہیں کہ اُن دنوں ملز کمیشن کی باتیں ہورہی تھیں۔مصری قوم نے اس کمیشن کا مقاطعہ کررکھا تھا۔اس مقاطعہ نے مصریوں کے جذبات کو اس قدر برانگیختہ کیا کہ مجھ جیسا طالب علم بھی جوش وخروش میں یہ اشعار کہنے کے قابل ہو گیا:

یا ملز! إرجع ثم سَل
وفداً بباريس أقام
وارجع لقومك قل لهم
لاتخدعوهم يا لئام۔۳۷

اے ملز واپس جاؤ اور پوچھو
اُس وفد سے جو پیرس میں مقیم ہے
اپنی قوم کے پاس جاؤ اور اُن سے کہو
اے کمینو! انہیں دھوکہ نہ دو!

## تفسیر میں ادب اور تفقہ

جماعت اسلامی اور اخوان میں تنوّع کا ایک پہلو وہ تفسیری ادب ہے جو دونوں جماعتوں نے پیش کیا۔ مولانا مودودیؒ کی تفسیر تفہیم القرآن شہرہ آفاق ہے۔ چھ جلدوں میں یہ ضخیم اور مبسوط تفسیر اردو ادب میں شاہ کار ہے۔ زبان وبیان کی ندرت، اسلوب و ادا کا بانکپن، انتہائی مؤثر ترجمانی، عالمانہ حواشی، جدید مسائل وافکار پر وحی الٰہی کی روشنی میں علمی محاکمہ اور تنقید، علوم اسلامیہ کے معتبر ومستند مصادر سے راست استفادہ، علوم جدیدہ کی امہات کتب کے حوالے، متون اسلامی سے بھرپور استفادہ کے ساتھ اجتہاد فکر ونظر کے وافر نمونے، اس تفسیر کی وہ خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے وہ عالم اسلام میں سب سے زیادہ مقبول ہے۔ مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی ۹ر جلدوں میں تفسیر 'تدبر قرآن' جماعت اسلامی کے حلقوں میں دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ رائج ہے۔ اس تفسیر کی تصنیف کا آغاز اسی وقت ہوگیا تھا جب مولانا اصلاحی جماعت اسلامی کی قیادت سے وابستہ تھے۔ بعد میں جماعت اسلامی سے فارغ ہوکر وہ اس نیک اور متبرک خدمت کی تکمیل میں لگ گئے۔ تدبر وتفکر، نظم کی رعایت سے قرآن کو سمجھنے کی کوشش، جاہلی ادب وروایات کا گہرا مطالعہ، بلامداہنت راست اسلامی فکر کی ترجمانی، فلسفہ وفکر مغرب پر سخت تنقید، تجدد کے خلاف نشتر زنی، علوم ومعارفِ قرآنی کی تہذیب کشائی، روح وحکمت اور اسرارِ شریعت پر حکیمانہ گفتگو اس تفسیر کی امتیازی خصوصیات ہیں۔

اسی طرح تفسیر کے میدان میں اخوان المسلمون کی خدمات بھی قابلِ قدر ہیں۔ سید قطب شہید کی تفسیر 'فی ظلل القرآن' کو عالمی شہرت حاصل ہے۔ یہ ایک تحریکی اور انقلابی تفسیر ہے، جو قاری کو جوش وجذبہ سے بھر دیتی ہے اور وہ دین کی خدمت، اسلام کی تبلیغ واشاعت اور مسلم معاشرہ کی اصلاح کے لیے سرگرم عمل ہوجاتا ہے۔ دوسری تفسیر محترمہ زینب الغزالی کی ہے، جو ابھی کچھ عرصہ پہلے 'نظرات فی کتاب اللہ' کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ اس تفسیر ماثور کی رعایت کے ساتھ حالاتِ حاضرہ پر نقد وتبصرہ بھی شامل ہے۔

## سیاسیاتِ اسلام پر معرکہ آرائی

مصر اور ہندوستان کے دینی وسیاسی حالات میں جوہری فرق کی وجہ سے دونوں جگہ بحث ومباحثہ اور علمی معرکہ آرائی کی نوعیت میں اختلاف ہے۔علی عبدالرازق (۱۸۸۸۔۱۹۶۶ء) کی بدنام زمانہ کتاب 'الاسلام واصول الحکم' مصر میں ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی تھی۔ اسلام کے نظامِ سیاست پر سب سے پہلا فکری حملہ اسی کتاب نے کیا تھا۔ اس کا علمی محاکمہ مصر کے اسلام پسند مصنفین اور دانش وروں نے کیا اور اس کی علمی وفکری معتبریت کو منہدم کردیا۔ جب اس کتاب نے دینی حلقے میں شورش برپا کی تو علمائے ازہر کی مجلس اعلیٰ نے اس پر پابندی لگادی اور مصنف کو شریعہ کورٹ کے جج کے عہدہ سے معزول ہونا پڑا۔ اسی لیے اسلام کے نظامِ سیاست اور قرآن کریم کے سیاسی افکار پر مصر میں اخوان المسلمون کو ویسی مخالفت اور دشنام طرازی سے سابقہ پیش نہیں آیا جو جماعت اسلامی اور مولانا مودودی کے لیے مقدّر تھی۔

مولانا مودودیؒ نے اسلام کی سیاسی فکر، اسلامی ریاست کے فلسفہ، نظام کار اور اصول حکم رانی پر لکھنا شروع کیا تو گویا رہبانی تصوّرِ مذہب کے علم برداروں کے گھروں میں زلزلہ آگیا۔ مولانا نے گویا بھڑوں کے چھتّے میں ہاتھ ڈال دیا ہو۔ دین وسیاست، مذہب اور تہذیب، اسلام اور اقتدار، دین وسیاست کی تفریق میں قصۂ یوسفؑ سے غلط استدلال، اسلام کا سیاسی نظریہ، انبیائے کرام کا مشن، قرآن کا فلسفۂ سیاست، تصور حاکمیت وخلافت، اسلامی تصور قومیت، اسلام کے دستوری قانون کے مآخذ، اسلامی ریاست کی بنیادیں، جمہوری خلافت، مجلس شوریٰ کی تشکیل، عورتوں کی سیاسی شرکت، غیر مسلم اقلیتوں کی سیاسی حصہ داری، قانون سازی میں اجتہاد کا کردار، اسلامی جمہوریت کا نظریہ، بنیادی حقوق کا تصور، عدل اجتماعی، اسلامی انقلاب کی ماہیت اور طریق کار- کون سا موضوع ہے جس کی مخالفت چہاردانگ عالم میں نہ ہوئی ہو۔ ملحدین اور تجدّد زدہ دانش وروں کی جانب سے مخالفت اور دشنام طرازی کی مہم تو سمجھ میں آتی ہے کہ انہیں احیائے دین سے بغض اللہ واسطے کا ہے، مگر علمائے دیوبند، اہل حدیث علماء، خرقہ پوشوں اور دین دار حلقوں نے بھی سبّ وشتم کی مہم چلائی۔ اکرامِ مسلم کا درس دینے والے بعض علماء نے

تو 'فتنۂ مودودیت' جیسی اصطلاح بھی وضع کرلی۔۱۹۷۵ء میں جماعت اسلامی ہند خلاف قانون قرار پائی۔ایمرجنسی نافذ کرکے حکومت نے سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگائی تو کارکنان جماعت بھی جیلوں میں ڈال دیے گئے۔باہر بعض علماء نے جماعت اسلامی کی کردارکشی کرنے کی کوشش کی۔ جماعت اسلامی کی تصنیفی وعلمی صلاحیت ان بے بنیاد الزامات واعتراضات کا جواب دینے میں صرف ہوئی۔اخوان المسلمون کو بھی فکری وعلمی مباحثوں میں شرکت کرنا پڑی، لیکن اس کی نوعیت بالکل مختلف تھی اور وہ دین دار حلقوں کی طرف سے کم از کم ایسی شنیع مہم جوئی سے بچے رہے۔

## سلفی علماء کا تذبذب

اہل حدیث علماء نے حدیث سے متعلق مولانا مودودی کے نقطۂ نظر کی مخالفت کی ہے۔مولانا مودودی نے جیسے تفہیم القرآن میں بخاری ومسلم کی وہ حدیث مسترد کردی ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ کے تین بار جھوٹ بولنے کا تذکرہ ہے۔ وہ اُسے عصمتِ انبیاء کے عقیدہ کی مخالف ہونے کی بنا پر تسلیم نہیں کرتے۔ دوسرا جھوٹ سورہ صافّات آیت ۸۹ میں قول إني سقيم (میری طبیعت خراب ہے) ہے۔اور تیسرا جھوٹ ان کا اپنی بیوی کو بہن کہنا ہے، جس کا ذکر قرآن میں نہیں، بلکہ بائبل کی کتاب پیدائش میں آیا ہے۔مولانا مودودیؒ اس حدیث کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> ''آج کل۔وہ روایت پرستی میں غلو کرکے اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ اسے بخاری ومسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پروا نہیں ہے کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا ہے۔ نہ فن حدیث کے نقطۂ نظر سے کسی روایت کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کو مستلزم نہیں ہے کہ اُس کا متن خواہ کتنا ہی قابل اعتراض ہو، مگر اسے ضرور آنکھیں بند کرکے صحیح مان لیا جائے۔ سند کے صحیح اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بہت سے اسباب ایسے ہوسکتے ہیں، جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہوجاتا ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جن کی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے کہ یہ باتیں نبی ﷺ کی

فرمائی ہوئی نہیں ہوسکتیں۔اس لیے سند کے ساتھ ساتھ متن کو دیکھنا بھی ضروری ہے،اور اگر متن میں واقعی کوئی قباحت ہوتو پھر خواہ اُس کی صحت پر اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔"۳۸

میری رائے میں حدیث کے معاملہ میں مولانا مودودی کا یہ موقف درست نہیں ہے۔ وہ ایک داعیٔ دین اور متکلم اسلام تھے، مفسر قرآن تھے، لیکن محدث نہ تھے۔محدثین کے نزدیک کسی صحیح حدیث کو یوں مسترد کرنے کا موقف درست نہیں ہے۔متنِ حدیث میں اگر کوئی اشکال ہے توسندِ حدیث کے صحیح ہونے کی صورت میں توقف کرنا اور اس کو مزید تدبر وتفکر کا محل قرار دینا اصوب ہے۔لیکن حدیث کے بارے میں مولانا مودودی کے موقف کو بنیاد بنا کر جماعت اسلامی کی مخالفت کرنا اصولی طور پر درست نہیں ہے۔مولانا مودودی کا یہ موقف اُن کا اپنا ذاتی موقف تھا، جماعت اسلامی کا اِس کی حمایت ومخالفت سے کوئی ناطہ نہیں ہے۔ یہ ایک علمی بحث ہے اور علمائے حدیث کو اس موضوع پر تنقید کرنے کا حق ہے، لیکن اُس کی بنیاد پر جماعت اسلامی پر طعن وتشنیع کرنا درست نہیں ہے۔ اسی طرح کارکنانِ جماعت اسلامی کے لیے روانہیں ہے کہ مولانا مودودیؒ کی ہر تحریر کی حمایت کرنا دین کا مطالبہ شمار کریں۔

بعض نادانوں کا یہ مطالبہ بالکل غلط ہے کہ مولانا مودودیؒ کی تحریروں سے اختلافی عبارتیں ہٹادی جائیں،اس طرح مفاہمت کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ یہ مقدمہ بھی غلط ہے اور نتیجہ بھی۔مقدمہ کی غلطی یہ ہے کہ کسی عالم یا مفکرکی تحریروں میں کتر بیونت کرنا دیانت علمی کے خلاف ہے اور اس سے فکری پیش رفت پر قدغن لگ جانے کا خدشہ ہے۔نتیجہ کی غلطی یہ ہے کہ اس صورت میں مخالفت کرنے والے بنائے اختلاف کوتبدیل کرلیں گےاور یہ سلسلہ کبھی نہیں رک سکے گا۔

ویسے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ علمائے اہل حدیث کی ایک بڑی تعداد نے حدیث کے بارے میں مولانا مودودیؒ کے موقف کی غلطی تسلیم کرتے ہوئے جماعت اسلامی میں شمولیت اختیار کی۔۴۱ خود شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوریؒ

(۱۹۰۹-۱۹۹۴ء) نے ایسے عناصر کی تحسین کی اوران کی حوصلہ افزائی فرمائی۔[۴۲]

مصر میں سلفی العقیدہ سیاسی جماعت النور نے اخوان المسلمون کے ساتھ مل کر حکومت بنائی تھی، لیکن بعد میں اس سے علیٰحدگی اختیار کرلی۔ اس معاملہ میں اس نے سیاسی بصیرت اور فکری صلابت کا مظاہرہ نہیں کیا۔ مغربی طاقتوں کے دباؤ میں آ کر وہ ایمانی جرأت کا مظاہرہ نہ کرسکی اور حافظ قرآن انجینئر محمد مرسی کی قصرِ صدارت سے برطرفی اوراخوان کو پابند سلاسل بنانے کی عبدالفتاح السیسی کی ظالمانہ پالیسی کا آلہ کار بن گئی۔ بعد میں اُس کے رہنماؤں کی آنکھیں کھلیں، لیکن اُن کی یہ پشیمانی بے سود ثابت ہوئی۔ آج اخوان پھر سنت یوسفی ادا کررہے ہیں۔

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

## حواشی ومراجع


۱۔ گیلانی، سید اسعد، تاریخ جماعت اسلامی، المنار بک سینٹر منصورہ لاہور، اگست ۱۹۸۲ء، ص ۱۶۲-۱۶۳

۲۔ فلاحی، عبیداللہ فہد، اخوان المسلمون-تزکیہ، ادب، شہادت، القلم پبلی کیشنز کشمیر، اپریل ۲۰۱۱ء، ص ۸۶

۳۔ حوالۂ سابق، ص ۸۷-۸۸

۴۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، سیرت سرور عالم، مرتبین: نعیم صدیقی اور عبدالوکیل علوی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، محرم الحرام ۱۴۰۱ھ/دسمبر ۱۹۸۰ء، ص ۳۵۴-۳۶۲

۵۔ قطب، محمد-جاهلية القرن العشرين، اردو ترجمہ 'جدید جاہلیت' مترجم ساجد الرحمٰن صدیقی، البدر پبلی کیشنز لاہور، نومبر ۱۹۷۶ء، صفحات ۳۲۷۔

۶۔ حافظ محمد ادریس کا مقدمہ 'بیسویں صدی کی دو عظیم اسلامی تحریکیں' در کتاب، یادوں کی امانت از السید عمر تلمسانی، البدر پبلی کیشنز لاہور، اکتوبر ۱۹۸۷ء، ص ۳۱

۷۔ یادوں کی امانت، حوالہ بالا، ص ۲۳۷ ۸۔ حوالۂ سابق، ص ۱۸-۱۹

۹۔ حسن البنا مرحوم کی یادداشتیں، مذكرات الدعوة والداعية کا اردو ترجمہ: سید معروف شاہ شیرازی، منشورات اسلامی چنارکوٹ ضلع مانسہرہ پاکستان، ص ۹۵-۹۸

۱۰۔ حوالہ سابق، ص ۱۶۳-۱۶۶،

۱۱۔ مقدمہ، یادوں کی امانت، حوالہ بالا، ص۲۲

۱۲۔ بہ حوالہ یادوں کی امانت کا مقدمہ، ص۲۱

۱۳۔ حسن البنا مرحوم کی یادداشتیں، حوالہ بالا، ص۱۲۶

۱۴۔ اخوان المسلمون کی ادبی و علمی خدمات کے لیے دیکھیے راقم سطور کی کتاب 'اخوان المسلمون-تزکیہ، ادب، شہادت'، حوالہ بالا، باب چہارم: ادب کی حلاوت بھی، ایمان کی حرارت بھی (قائدین کی خودنوشتوں کا مطالعہ)، پانچواں باب: دانشوروں اور ادیبوں کی کہکشاں، ص۱۱۱-۲۰۸

۱۵۔ مقدمہ، یادوں کی امانت، حوالہ بالا، ص۲۰-۲۱

۱۶۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تصریحات، ترتیب: سلیم منصور خالد، مکتبہ ذکریٰ رام پور، اکتوبر ۱۹۸۰ء، ص۲۹۵

۱۷۔ حسن البنا مرحوم کی یادداشتیں، حوالہ بالا، ص۳۴

۱۸۔ حوالہ سابق، ص۳۳

۱۹۔ حوالہ سابق، ص۳۴-۳۵

۲۰۔ مودودی، سید ابوالاعلی۔ تصریحات، حوالہ بالا، ص۵۴

۲۱۔ حوالہ سابق، ص۱۳۳

۲۲۔ حوالہ سابق، ص۱۳۴-۱۳۵

۲۳۔ حوالہ سابق، ص۱۹۲

۲۴۔ جماعة التكفير والهجرة کے انتہا پسندانہ نظریات اور اخوان المسلمون کے ذریعہ اُن کی تردید کے لیے دیکھیے راقم کی کتاب 'فکر اسلامی کے حجابات' منشورات پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز نئی دہلی، جنوری ۲۰۱۸ء، ص۱۳۷-۱۴۱

۲۵۔ تصریحات، حوالہ بالا، ص۲۹۹

۲۶۔ اخوان المسلمون-تزکیہ ادب، شہادت، حوالہ بالا، ص۲۰

۲۷۔ خالد، سلیم منصور۔ البدر، ادارہ مطبوعات طلبہ لاہور، طبع ہفتم جنوری ۱۹۸۸، ص۴۵۹-۴۶۰

۲۸۔ یادوں کی امانت، مقدمہ از حافظ محمد ادریس، حوالہ بالا، ص۳۰

۳۱۔ الغزالی، زینب۔ ایام من حیاتی، دارالقرآن الکریم، بیروت، ۱۹۸۰ء، ص۲۷-۳۷۔ اس کتاب کے دو اردو ترجمے شائع ہو چکے ہیں: (۱) زنداں کے شب و روز، مترجم امین عثمانی، ہندوستان پبلی کیشنز دہلی ۱۹۸۲ء۔ (۲) روداد قفس، مترجم خلیل احمد حامدی، ہندوستان پبلی کیشنز دہلی۔

۳۰۔ سید ابوالاعلی مودودی کی 'خودنوشت' محمد یوسف بھٹہ (مرتب)، 'مولانا مودودیؒ اپنی اور دوسروں کی نظر میں' ادارۂ معارفِ اسلامی لاہور، ۱۹۸۴ء، ص۲۳-۳۹۔ یہ خودنوشت مولانا مودودی کا

مرتب کردہ ایک مقالہ ہے جو ۱۹۳۲ء میں ایک دوست سید منظر علی کی فہمائش پر لکھا گیا تھا۔

۳۱۔ کتاب نما دہلی، فروری ۱۹۸۹ء، ص ۳۳-۳۵ (مضمون 'پنڈت مدن موہن مالویہ کی سوانح' از حکیم حسین خاں شفا)

۳۲۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ تحریک آزادی ہند اور مسلمان، حصہ اول، اسلامک پبلی کیشنز لمٹیڈ لاہور، جولائی ۱۹۸۷ء، ص ۴۱۱

۳۳۔ حوالہ سابق، ص ۸۷

۳۴۔ حوالہ سابق، ص ۷۹ ۳۵۔ اخوان المسلمون۔ تزکیہ، ادب، شہادت، حوالہ بالا ص ۸۶

۳۶۔ حسن البنا مرحوم کی یادداشتیں، حوالہ بالا ص ۴۴

۳۷۔ حوالۂ سابق، ص ۴۵۔

۳۸۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ تفہیم القرآن، جلد سوم، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، مارچ ۲۰۱۷ء، ص ۱۶۶۔۱۶۸ حاشیہ ۶۰۔ تفصیل کے لیے مصنف نے اپنی کتاب 'رسائل ومسائل جلد دوم ص ۳۵۔۳۹ کا حوالہ دیا ہے۔

۳۹۔ مثال کے طور پر مولانا محمد امین اثریؒ مدرسہ لطفیہ علی گڑھ تادم حیات جماعت اسلامی سے وابستہ رہے۔ اس مخلصانہ وابستگی کی وجہ سے متعدد بار ملازمت کی معطلی اور دربدری بھی برداشت کی۔ مولانا مودودی کے موقفِ حدیث کی تنقید پر مشتمل اُن کے مضامین جماعت اسلامی کے رسائل میں شائع بھی ہوئے۔ دیکھیے تفہیم القرآن میں تخریج کی حدیث بابت قسم حضرت سلیمانؑ مولانا مودودیؒ کی تاویل وتنقید پر مشتمل مولانا اثری کا مضمون، جو ماہ نامہ زندگی جولائی ۱۹۸۲ء میں مدیر مولانا سید احمد عروج قادریؒ کے بصیرت افروز نوٹ کے ساتھ شائع ہوا۔

۴۰۔ مولانا عبدالشکور صدیقی ضلع گونڈہ اور مولانا زین اللہ طیب پوری مرحوم ضلع بستی یوپی نے شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ رحمانی مبارک پوریؒ سے ۱۶-۱۹/نومبر ۱۹۶۱ء آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس نوگڑھ اترپردیش میں بالمشافہہ ملاقات کی اور جماعت اسلامی میں شامل ہونے کا عندیہ ظاہر کیا۔ مولانا عبدالغفور بسکوہریؒ بھی اس مجلس میں موجود تھے۔ انہوں نے مخالفت کی، لیکن شیخ الحدیث نے ان دونوں اکابر کو جماعت اسلامی میں شامل ہونے کی اجازت دی۔ تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کی کتاب 'احیائے دین اور ہندوستانی علماء- نظریاتی تفسیر اور عملی جدوجہد'، القلم پبلی کیشنز کشمیر، اشاعت دوم دسمبر ۲۰۱۱ء (نظرثانی شدہ)، ص xxvii-xxiv۔

# رفاہِ عامہ اور اسلام

ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی

آج دنیا کے ہر سماج میں مفلوک الحال، نادار، اور مفلس افراد موجود ہیں۔ ان کی خدمت کرنا اور ان کی ضروریات کی تکمیل کرنا نہایت ضروری ہے۔ سماجی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اسلام میں انفاق فی سبیل اللہ، زکوٰۃ وصدقات اور اوقاف کا نظام قائم کیا گیا ہے۔ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ اس کا عمرانی نظام اس قدر وسیع ہے اور اس کے اصول اس قدر جامع، عام فہم اور ہمہ گیر ہیں کہ ان کا انطباق ہر موقع اور محل پر کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی معاشرہ کے صحت مندانہ قیام کے لیے اسلام نے حریت، مساوات، نفع رسانی اور رواداری کے اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے۔

## اسلام سے قبل رفاہِ عامہ کا تصور

اسلام سے قبل بھی عرب میں رفاہِ عامہ کا تصور پایا جاتا تھا، حتیٰ کہ اس مقصد کی تکمیل کے لیے باقاعدہ ادارے قائم تھے۔ چنانچہ کتبِ سیرت واحادیث میں مذکور ہے کہ عوامی خدمت اور انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے عرب میں رفادہ، سقایہ، حجابہ اور دارالندوہ جیسے ادارے موجود تھے:

۱۔ رفادہ: حجاج کرام جب حج کے لیے جاتے تو ان میں سے جو لوگ اپنے کھانے کا بندوبست نہیں کرپاتے تھے، ان کے کھانے کا انتظام قریش کی طرف سے کیا جاتا تھا اور ان کے واپس ہونے تک انہیں کھانا پینا ملتا رہتا تھا۔

۲۔ سقایہ: مکہ مکرمہ میں عموماً پانی کی قلت رہتی تھی، زم زم کا پانی کعبۃ اللہ اور اس کے اردگرد کے لوگوں کے لیے تھا۔ اس وجہ سے قریش نے حاجیوں کو حرم، منیٰ اور عرفات میں پانی پہنچانے اور پلانے کا کام اپنے ذمہ لے رکھا تھا۔

۳۔ حجابہ: کعبۃ اللہ کی دیکھ بھال،اس میں آنے والے تحائف وہدایا کی وصولی اوراس کی کلید بردا ری کی خدمت ان کے ذمے تھی، نیز اس کی مرمّت وتعمیر کا کام بھی ان سے متعلق تھا۔

۴۔ دارالندوہ: مکہ میں عوامی فلاح اور سماجی کاموں کے حوالے سے دارالندوہ کا ادارہ بھی موجود تھا۔اس میں اہم معاملات کے فیصلے کیے جاتے تھے۔ [1]

خدمتِ خلق اورانسانی اقدار کے تحفظ کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کے پردادا ہاشم کی بہت شہرت تھے۔مفسرابن عطیہ اندلسیؒ نے ان کا ایک واقعہ نقل کیا ہے:

''ہاشم بن عبدمناف نے سب سے پہلے قریش میں یہ دستور جاری کیا کہ سال میں دومرتبہ تجارت کے لیے قافلے روانہ ہوا کریں گے۔موسم گرما میں قافلہ شام کی طرف جاتا، جولق دق بیابانوں کو طے کرتا ہوا شام، غزہ،فلسطین اورانقرہ جا پہنچتا، جواس وقت قیصرروم کے زیرتسلط تھا۔ قیصرروم سے ہاشم نے قافلے کے ان کے ملک میں آنے اورکاروبار کرنے کی اجازت لے رکھی تھی۔موسم سرما میں شمال کی طرف سردی اور برف باری اوریمن کی طرف گرمی ہوتی تھی، لہٰذا موسم سرما میں عربوں کے قافلے ریگستانوں کو طے کرتے ہوئے یمن جاتے اورسمندری راستے سے آئی ہوئی اشیاخرید کر اور کاروبارکرکے واپس لوٹتے۔یہاں شاہ حبشہ کی حکومت تھی۔جناب ہاشم نے ان سے پروانۂ تجارت لے رکھا تھا۔ [2]

ہاشم کا دوسرا کارنامہ، جوخدمت خلق کے لیے مثل کی حیثیت رکھتا ہے،درج ذیل ہے:

''ایک مرتبہ مکہ میں قحط پڑا اورلوگ بھوک سے نڈھال ہوگئے۔اسی حالت میں انہوں نے اپنے اونٹ ذبح کیے،ان کا گوشت پکوایا اورشوربے میں روٹیاں توڑ کر اہل مکہ کو کھلائیں۔یہ عمل حج کے دنوں میں بھی جاری رہتا۔اس لیے ان کو ہاشم (روٹیاں چورنے والا) کہا جانے لگا۔نیز ان کا دسترخوان بہت کشادہ تھا۔مسافروں،غریبوں اور

محتاجوں کے لیے ہر وقت کھلا رہتا تھا۔‘‘ ۳؎

زمانۂ جاہلیت میں رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کی رفاہی خدمات بھی مشہور ہیں۔ انہوں نے چاہ زم زم کو کھدوا کر کشادہ کروایا۔ اس کے بعد اس کے ارد گرد بڑے حوض بنوائے، جن میں پانی بھر کر حاجیوں اور مسافروں کو پلاتے تھے۔ ان کی نذر کی بہت شہرت ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے نذر مانی کہ میرے دس بیٹے ہو جائیں تو ایک بیٹے کو اللہ کے نام پر قربان کر دوں گا۔ جب دس بیٹے ہو گئے تو نذر پوری کرنے کے لیے قرعہ اندازی کی گئی۔ جناب عبداللہ کا نام نکلا۔ عبدالمطلب ان کو لے کر ذبح کرنے کے لیے حرم کی طرف چلے۔ اس پر جناب عبداللہ کی بہنیں چلانے لگیں۔ بالآخر طے ہوا کہ عبداللہ ایک طرف اور دس اونٹ دوسری طرف کر کے قرعہ ڈالا جائے۔ اس پر قرعہ اندازی کی گئی تو بار بار عبداللہ کا نام ہی نکلتا تھا۔ آخر جب سو اونٹ ہوئے تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ تب انہوں نے سو اونٹ صفا اور مروہ کے درمیان ذبح کیے۔ اس عمل کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو 'ابن الذبیحین' کہا جاتا ہے۔ اس میں خدمت خلق کا پہلو یہ ہے کہ لوگوں نے پیٹ بھر کر گوشت کھایا اور اپنی غذائی ضرورت پوری کی۔ ۴؎

خود حضور اکرم ﷺ بھی نبوت سے قبل عوامی خدمات انجام دیتے تھے۔ اس کا ثبوت اس واقعہ سے فراہم ہوتا ہے کہ جب آپؐ غار حرا میں تشریف فرما تھے تو جبرئیل امینؑ آئے اور آپؐ کو وحی و نبوت سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد آپؐ گھر تشریف لائے اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ سے اپنی حیرت و پریشانی کا ذکر فرمایا۔ اس موقع پر انہوں نے آپؐ کو جن الفاظ سے تسلی دلائی وہ تاریخ کا اہم ترین حصہ ہیں اور عوامی خدمات کرنے والوں کے لیے مشعل راہ بھی۔ انہوں نے فرمایا تھا:

كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَ
تَحْمِلُ الْكَلَّ، وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ، وَتُعِينُ
عَلَى نَوَائِبِ الْحَقِّ۔ ۵؎

’’ہرگز نہیں! اللہ کی قسم، اللہ آپؐ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، کیوں کہ آپؐ

تعلقات جوڑتے ہیں، ناتواں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، جو چیز دوسروں کے پاس نہیں اسے آپ انہیں کما کر دیتے ہیں، مہمانوں کی تواضع کرتے ہیں اور حادثات کے شکار لوگوں کے حقوق دلانے میں مدد کرتے ہیں''۔

## اسلام میں رفاہِ عامہ کی اہمیت

قرآن کریم میں اس موضوع کی بہت سی آیات ہیں، جن میں حکم دیا گیا ہے کہ انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے مال خرچ کیا جائے اور عوام کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔ ایک آیت ملاحظہ ہو:

لَّيْسَ الْبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَالْمَلآئِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَالسَّآئِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ. (البقرہ:۱۷۷)

''(کچھ سارا) کمال اس میں نہیں (آگیا) کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو یا مغرب کو، لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ پر یقین رکھے اور قیامت کے دن اور فرشتوں پر اور (سب) کتب (سماویہ) پر اور پیغمبروں پر اور مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور (بے خرچ) مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردن چھڑانے میں اور نمازوں کی پابندی رکھتا ہو اور زکوۃ بھی ادا کرتا ہو۔''

عوامی فلاح و بہبود اور انسانی ہم دردی کا عہد بنی اسرائیل سے بھی لیا گیا تھا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لاَ تَعْبُدُونَ إِلاَّ اللّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَاناً وَذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَقُولُواْ لِلنَّاسِ حُسْناً وَأَقِيمُواْ الصَّلاَةَ وَآتُواْ الزَّكَاةَ (البقرة:۸۳)

''اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب لیا ہم نے (توریت میں) قول وقرار

بنی اسرائیل سے کہ عبادت مت کرنا (کسی کی) بجز اللہ تعالیٰ اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گزاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور بے باپ کے بچوں کی بھی اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے بات اچھی طرح (خوش خلقی سے) کہنا اور پابندی رکھنا نماز کی اور ادا کرتے رہنا زکوٰۃ۔"

ان آیات میں انسانی حقوق کو ادا کرنے اور سماجی ومعاشرتی تقاضوں کو پورا کرنے کی بات کہی گئی ہے۔ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کا تعاون کرنے اور برائی اور زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرنے کو اسلام کی بنیادی قدر قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
(المائدۃ:۲)

"اور نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کیا کرو اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کی اعانت مت کرو۔"

اسلام میں رفاہِ عامہ کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل حدیث سے بخوبی ہوتا ہے:

"حضرت جریر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ ہم ایک مرتبہ شروع دن میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن، دھاری دار چادریں اوڑھے اور تلواریں لٹکائے ہوئے آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ لوگ قبیلۂ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے فقر وفاقہ اور خستہ حالی کو دیکھ کر آپؐ کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ پریشانی کے عالم میں آپؐ کبھی اندر تشریف لے جاتے، کبھی باہر آتے۔ پھر آپؐ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ نماز کے بعد آپؐ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا۔ اس میں سورۂ نساء کی ابتدائی آیت اور سورۂ حشر کی آیت ۱۸ (یٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ) پڑھ کر لوگوں کو اپنے غریب اور حاجت مند بھائیوں پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی اور فرمایا: " ہر آدمی، چاہے اس کے پاس ایک دینار ہو،

ایک درہم ہو، ایک کپڑا ہو، ایک صاع گندم یا کھجور ہو، اس میں سے صدقہ کرے، حتیٰ کہ جس کے پاس ایک کھجور ہے اس کے ٹکڑے سے بھی اپنے بھائیوں کی خدمت کرے۔'' آپ ﷺ کا یہ فرمانا تھا کہ لوگ اپنے گھروں کی طرف دوڑ پڑے اور حسبِ توفیق چیزیں لانے لگے۔ راوی کا بیان ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد کپڑوں اور کھانے کی چیزوں کے دو ڈھیر لگ گئے۔ یہ دیکھ کر رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ انور خوشی سے یوں کھل اٹھا، گویا وہ چمکتا ہوا سونے کا ٹکڑا ہے۔ [۶]

خدمتِ خلق کا تقاضا ہے کہ تمام نوع انسانی کے نفع کے لیے کام کیا جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

**اَحَبُّ النَّاسِ اِلَی اللّٰہِ اَنفَعُھُم لِلنَّاسِ۔** [۷]

''اللہ کو سب سے زیادہ پسندیدہ وہ شخص ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے۔''

انسان کے کمال و ترقی کے لیے ضروری ہے کہ اس کا وجود سماج کے لیے نفع بخش اور سودمند ہو اور اس کی صلاحیت و استعداد سے معاشرے کے افراد فیض حاصل کریں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

**الخلقُ عَیَالُ اللّٰہِ فَأحبُّ الخلقِ الی اللّٰہِ مَن أحسنَ الی عَیَالِہ۔** [۸]

''مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، پس بہترین شخص وہ ہے جو اللہ کے کنبہ کے ساتھ احسان و بھلائی کا معاملہ کرے''۔

ایک اور دوسری حدیث میں ہے:

**الرَّاحِمُونَ یَرحَمُھُمُ الرَّحمٰنُ، اِرحَمُوا مَن فِی الارضِ یَرحَمُکُم مَّن فِی السَّمَاءِ۔** [۹]

''جو لوگ دوسروں پر رحم کرتے ہیں، اللہ ان پر رحم کرتا ہے۔ اہل زمین پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا''۔

ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسان سے کہے گا:

اے ابن آدم! میں بیمار پڑا رہا، لیکن تو نے میری عیادت نہیں کی۔ انسان گھبرا کر عرض کرے گا: اے میرے رب! تو سارے جہاں کا پروردگار ہے، تو کب بیمار تھا اور میں کیسے تیری عیادت کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے نہیں معلوم تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے، لیکن اس کے باوجود تو اس کی مزاج پرسی کے لئے نہیں گیا۔ اگر تو اس کے پاس جاتا تو مجھے وہاں پاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا تھا۔ انسان عرض کرے گا: اے رب العالمین! تو کب بھوکا تھا اور میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا، لیکن تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا تھا۔ اگر تو نے اسے کھلایا ہوتا تو آج اس کا ثواب یہاں پاتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا، لیکن تو نے مجھ کو پانی نہیں پلایا تھا۔ انسان عرض کرے گا: اے دوجہاں کے پروردگار! تو کب پیاسا تھا؟ اور میں تجھے کیسے پانی پلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی مانگا تھا، لیکن تو نے اسے پانی نہیں پلایا تھا۔ اگر تو نے اس کی پیاس بجھائی ہوتی تو آج تو اس کا ثواب یہاں پاتا۔[۱۰]

مذکورہ تفصیلات سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اسلام میں عوامی خدمات اور رفاہِ عامہ کے لیے ٹھوس بنیادیں موجود ہیں۔

## اسلام کا نظامِ زکوٰۃ

اسلام میں انفاق فی سبیل اللہ کا تصور موجود ہے، اس کے ذریعہ بھی عوامی خدمات کو فروغ دیا جاتا ہے۔ دراصل اسلامی نظامِ زکوٰۃ معاشرہ کو اقتصادی اور معاشی اعتبار سے مستحکم کرنے میں اہم کردار انجام دیتا ہے۔ زکوٰۃ کو صحیح طریقے سے خرچ کیا جانے لگے تو سماج سے ناداری، غربت اور افلاس کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص مال کی ایک متعین مقدار کا مالک ہو اور وہ مال ایک برس تک اس کے پاس رہے تو اس پر ڈھائی فی صد مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اس پر فرض ہے۔ قرآن مجید میں زکوٰۃ کے آٹھ (۸) مصارف بیان کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (التوبۃ:۶۰)

''یہ صدقات تو صرف حق ہے غریبوں اورمحتاجوں کا،اور جوکارکن ان صدقات پر متعین ہیں،اورجن کی دل جوئی کرنا مقصود ہو،اورغلاموں کی گردن چھڑانے میں،اورقرض داروں کا قرض اداکرنے میں اور جہاد میں اور مسافروں پر۔یہ حکم اللہ کی طرف (مقرر) ہے اوراللہ بڑے علم اور بڑی حکمت والا ہے''۔

اس آیت میں زکوٰۃ کے اولین مستحقین میں فقراء ومساکین کا ذکر کیا گیا ہے۔ فقیر سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ نہ ہواور مسکین اسے کہتے ہیں جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو۔[۱۱] عاملین زکوٰۃ میں تحصیل دار،منشی،مال تقسیم کرنے والا، مال اکھٹا کرنے والا اورمال کا خزانچی اورمکھیا سب شامل ہیں۔[۱۲] فقہاء نے مال دار عامل زکوٰۃ کے لیے زکوٰۃ کے فنڈ سے تنخواہ لینا جائز قرار دیاہے۔مولانا اشرف علی تھانویؒ نے لکھاہے: ''عاملین ومحصلینِ زکوٰۃ، جوسلطان اسلام کی طرف سے مقرر ہوں،ان کوباوجودغنی ہونے کے بھی اس زکوٰۃ میں سے بطور اجرت دینا جائز ہے''۔[۱۳] مؤلفۃ القلوب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی دل جوئی کے لیے ان کوصدقات دیے جاتے تھے۔ان میں کچھ غیرمسلم ہوتے تھے۔رہا یہ سوال کہ کیا بعدمیں یہ مد ختم ہوگئی تھی یانہیں؟ تواس سلسلہ میں علماء کی دورائیں ہیں: اکثر علماء کا کہنا ہے کہ اس کی ضرورت باقی نہ رہنے کی وجہ سے حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں اس کوساقط کردیا گیا تھا،لیکن آئندہ کسی زمانے میں پھراس کی ضرورت پیش آجائے تو دیا جاسکتاہے۔امام زہری،قاضی عبدالوہاب، ابن عربی،امام شافعی اورامام احمد کا یہی مذہب ہے۔علامہ شوکانی کی بھی رائے ہے کہ یہ مد ختم نہیں ہوئی ہے۔[۱۴] زکوٰۃ کا ایک مصرف غلام آزادکراناہے۔اس کا مطلب مولانا اشرف علی تھانویؒ نے یہ بتایاہے کہ کسی غلام کو اس کے آقانے کہہ دیا ہوکہ اتنا روپیہ دے دے تو آزاد

ہے۔ ایسی صورت میں اس غلام کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ وہ غلام اپنے آقا کو پیسہ دے کر آزاد ہو جائے گا۔۱۵؎ ’غارمین‘ سے مراد مقروض ہیں۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ قرض دار کی مالِ زکوٰۃ سے مدد اسی صورت میں کی جائے گی جب اس نے یہ قرض کسی ناجائز کام کے لیے نہ لیا ہو۔ اگر کسی گناہ کے لیے قرض لیا ہو، جیسے شراب وغیرہ، یا شادی غمی کی ناجائز رسمیں تو ایسے قرض دار کو زکوٰۃ کی مد سے نہیں دیا جائے گا، تاکہ اس کی معصیت اور اسرافِ بے جا کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔۱۶؎ زکوٰۃ کا ساتواں مصرف فی سبیل اللہ ہے۔ اس سے زیادہ تر فقہاء نے ’جہاد‘ مراد لیا ہے۔ کچھ فقہاء اس سے ہر کارِ خیر مراد لیتے ہیں، لیکن ان کی رائے کو قبول نہیں کیا گیا ہے۔ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اسلام کے غلبے اور اس پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دینے کے لیے کی جانے والی کوششوں میں بھی زکوٰۃ صرف کی جاسکتی ہے۔ ابن سبیل مسافر کو کہا جاتا ہے۔ مصارفِ زکوٰۃ میں اس سے مراد وہ مسافر ہے جس کے پاس سفر میں بہ قدر ضرورت مال نہ ہو، اگرچہ اس کے وطن میں اس کے پاس کتنا ہی مال کیوں نہ ہو۔ ایسے مسافر کو مالِ زکوٰۃ دیا جاسکتا ہے، جس سے وہ اپنے سفر کی ضروریات پوری کرے اور اپنے وطن واپس جاسکے۔۱۷؎

یہ حقیقت ہے کہ ہمارا سماج مختلف قسم کے معاشی مسائل سے دوچار ہے۔ ان میں سب سے بنیادی مسئلہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہے۔ اس تقسیم نے معاشرہ کو دو گروہوں میں تقسیم کر رکھا ہے: ایک امیر اور دوسرا غریب۔ امیر و غریب کی اس تفریق اور خلیج کو کم کرنے کا بہترین ذریعہ زکوٰۃ ہے۔ اس کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ دولت امیروں کے ہاتھ سے نکل کر غریبوں تک پہنچے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے کبھی معاشرہ میں طبقاتی تقسیم فروغ نہیں پائے گی۔ سرمایہ دارانہ نظام میں دولت مند طبقہ عموماً معاشرہ کے ایسے افراد کی کفالت کا ذمہ نہیں لیتا جو نادار، کم زور، ضعیف، یتیم، مسکین، مقروض، مسافر، بیوہ یا قیدی ہوں۔ زکوٰۃ کے ذریعہ ایسے افراد کی تنگی اور بد حالی کو دور کرنے میں مدد ملتی ہے۔ وہ بھی خوش حالی کی زندگی گزارنے کے حق دار ہو جاتے ہیں۔ زکوٰۃ کے ذریعے ایسے لوگوں کو باروزگار بنایا جاسکتا ہے جو ہنرمند اور دست کار ہوں، لیکن مال نہ ہونے کی وجہ سے وہ کوئی

کام نہ کرسکتے ہوں۔

## نظامِ اوقاف

اوقاف کا ادارہ زندہ قوموں کے حساس قومی اور ملی جذبوں کا عکاس ادارہ ہے۔ اس سے معاشرے کے کم زور طبقات کو زندگی ملتی ہے۔ رفاہی کاموں کو وسعت اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے ذریعہ مسجدیں آباد ہوتی ہیں، مدارس اور تعلیم گاہیں قائم کی جاتی ہیں، بیماروں کے علاج معالجے کے لیے شفا خانے قائم کیے جاتے ہیں۔ اس ادارہ کے ذریعے ہر طرح کے ترقیاتی اور فلاحی کام انجام دیے جاسکتے ہیں۔ وقف کی ابتدا عہدِ رسالت سے ہی ہوگئی تھی۔ اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں جو مساجد بہ طور وقف قائم ہوئیں ان کے نام یہ ہیں: مسجد بنی عمرو، مسجد بنو ساعدہ، مسجد بنی عبید، مسجد بنی سلمہ، مسجد بنی زریق، مسجد غفار، مسجد بنی اسلم، مسجد جہینہ۔ یہ تمام مساجد مدینہ منورہ میں قائم کی گئی تھیں۔ ان کے علاوہ بھی دیگر مساجد مدینہ منورہ کے اطراف میں قائم ہوئی تھیں۔[۱۸]

عہدِ نبوی میں مساجد کے علاوہ بھی دیگر اشیاء کو وقف کیے جانے کا ثبوت ملتا ہے۔ مدینہ منورہ میں حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کا ایک باغ تھا، جو مسجدِ نبوی کے بالکل سامنے واقع تھا، اس کا نام 'بئر حاء' تھا۔ نبی اکرم ﷺ اکثر وہاں تشریف لے جاتے اور اس کا عمدہ پانی نوش فرماتے تھے۔ جب آیت قرآنی لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ آل عمران: ۹۲ ''تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ اپنی وہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو۔'' نازل ہوئی تو حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کھڑے ہوگئے اور کہا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''تم ہرگز نیکی کو نہ پاسکوگے جب تک اپنی محبوب شئی (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کردو'' اور میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب میرا باغ 'بئر حاء' ہے۔ میں اسے اللہ کی راہ میں اس نسبت سے صدقہ کرتا ہوں کہ یہ نیکی اور ذخیرۂ آخرت کے طور پر اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہوجائے۔ انہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو مخاطب کرکے کہا: ''آپؐ جہاں مناسب سمجھیں، اس کو صرف فرمائیں۔'' اس پر آں حضرت ﷺ نے

فرمایا: ''بہت خوب، یہ سودا تو بہت نفع دینے والا ہے۔ میں نے تمہاری بات سن لی ہے۔ میرا خیال ہے کہ اسے اپنے قریبی رشتہ داروں کو دے دو۔'' اس پر ابوطلحہؓ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ! میں ایسے ہی کروں گا۔'' چنانچہ انہوں نے یہ باغ اپنے قریبی رشتہ داروں اور چچازاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔''[19]

۷ھ میں جب خیبر کا علاقہ فتح ہوا تو نبی کریم ﷺ نے یہ علاقہ مختلف صحابہ کرامؓ خصوصاً مہاجرین میں تقسیم فرما دیا، تاکہ یہ حضرات، جو انتہائی تنگی و ناداری سے گزر بسر کر رہے تھے، قدرے فارغ البالی سے وقت گزار سکیں۔ چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ کو بھی دربارِ نبوی سے ایک ایسا قطعۂ زمین میسر آیا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کچھ اراضی وہاں خریدی بھی تھی۔ اس طرح وہاں ان کی کافی مملوکہ زمین ہو گئی تھی۔ ایک موقع پر حضرت عمر فاروقؓ خدمت نبوی میں پہنچے اور عرض کیا: ''یارسول اللہ ﷺ مجھے خیبر میں جو زمین ملی ہے، میں آج تک اس سے زیادہ عمدہ جائیداد کا مالک نہیں ہوا۔ آپؐ مجھے اس کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم چاہو تو اس کی اصل کو محفوظ رکھو اور (اس کے فوائد) صدقہ کر دو۔'' چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس شرط کے ساتھ اس زمین کو وقف کر دیا کہ اس کی اصل زمین کو نہ فروخت کیا جا سکے گا، نہ اس میں ہبہ اور وراثت کا سلسلہ چلے گا۔ یہ زمین فقراء، قریبی رشتے داروں، غلاموں، راہِ خدا، مہمانوں اور مسافروں کے لیے صدقہ ہوگی۔ جو شخص اس جائیداد کا متولی ہوگا اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اس سے معروف طریقے کے مطابق خود کھائے، یا کسی غیر مال دار دوست کو کھلائے۔[20]

سیرت و حدیث کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت میں متعدد صحابۂ کرامؓ نے اپنی زمینیں وقف کر کے عوامی خدمت اور رفاہی امور کو انجام دیا تھا۔

## خلافتِ راشدہ میں نظامِ وقف

اگر ہم خلافتِ راشدہ کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ اس دور میں مذہبی اوقاف کے علاوہ رفاہی امور کے لیے بھی اوقاف کا انتظام و اہتمام کیا گیا تھا۔ اس زمانے

میں مختلف علاقوں اور شہروں تک آب رسانی کے لیے نہریں کھدوائی گئیں۔ نہرابی موسیٰ کے ذریعہ بصرہ کو اور نہر سعد کے ذریعے اہلِ انبار کو پانی پہنچایا گیا۔ مصر سے غلّہ منگوانے کے لیے ۱۸ھ میں حضرت عمر فاروقؓ نے دریائے نیل اور بحیرۂ قلزم کے مابین ۹۹ میل لمبی نہر کھدوائی تھی۔ اس کے ذریعہ غلّے سے بھرے ہوئے جہاز براہِ راست مدینہ منورہ آنے لگے۔ اسی طرح اس زمانے میں نہر معقل بھی تیار ہوئی۔ اس دور میں مسافروں کے لیے مہمان خانوں اور سراؤں کا قیام بھی عمل میں آیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے عہدِ خلافت میں بڑے بڑے شہروں میں مسافروں کے لیے مسافر خانے تعمیر ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں کوفہ میں عقیل اور ابن ہبار کے مکانات کو خرید کر ایک وسیع مہمان خانہ تیار کرایا گیا۔ مدینہ منورہ اور نجد کے درمیان 'نباب' سڑک پر ایک سرائے تعمیر کی گئی اور اس سے متصل ایک بازار بسایا گیا اور شہر میں پانی کا ایک کنواں کھدوایا گیا۔ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے مابین آمدورفت کو آسان بنانے کے لیے عہد فاروقی میں ہر منزل پر چوکیاں، سرائیں اور حوض تعمیر کروائے گئے۔[21]

## مسلم تاریخ اور نظامِ اوقاف

مؤرخین نے لکھا ہے کہ اسلامی حکومتوں میں شفا خانے اور دیگر رفاہی کام بڑی تیزی سے انجام دیے گئے۔ اس ضمن میں قدیم ترین حوالہ ابن طولون کا ملتا ہے۔ اس نے ۲۵۹ھ میں ساٹھ ہزار دینار خرچ کر کے ایک عظیم الشان ہسپتال قائم کیا تھا، جہاں ہر طرح کی بیماریوں کا علاج ہوتا تھا۔ اطباء کے مشاہروں کے علاوہ بیماروں کی ادویات، خوراک اور لباس کی کفالت بھی شفا خانے کی جانب سے کی جاتی تھی۔ ہسپتال میں دو حمام بھی بنائے گئے تھے: ایک مردوں کے لیے اور دوسرا خواتین کے لیے۔[22]

## ہندوستان میں اوقاف

سلاطین دہلی میں سے سلطان بختیار خلجی نے جب رنگ پور کا شہر آباد کیا تو وہاں بے شمار مسجدیں، مدرسے اور خانقاہیں تعمیر کرائیں اور ان کے لیے اوقاف مخصوص کیے۔

شمس الدین التمش نے بدایوں اور دہلی میں 'معزیہ' کے نام سے مدرسے قائم کیے۔اس عہد میں دہلی ،ملتان اور جالندھر میں بعض مدارس کا ذکر ملتا ہے۔خلجی خاندان (۶۸۹ھ ۱۲۹۰ء تا ۷۲۰ھ ۱۳۲۱ء) میں سے سلطان علاء الدین خلجی خصوصی طور پر علم پرور حکمراں تھا۔ اس نے بہت سی مساجد ،مدارس، خانقاہیں ،حمام اور مقبرے تعمیر کرائے اور ان کے لیے ضروری مصارف کا بندوبست کیا۔ خاندانِ تغلق (۷۲۰ھ۔۱۳۲۱ء تا ۸۱۷ھ۔۱۴۱۴ء) بھی مساجد ومدارس کی تعمیر میں پیچھے نہ تھا۔چنانچہ فیروزشاہ تغلق نے (۱۳۵۱ھ تا ۱۳۸۸) ۷۵۳ھ میں دہلی میں مدرسہ فیروزآباد تعمیر کیا۔اس کے علاوہ بھی کافی اہم رفاہی کام اس دور میں انجام دیے گئے۔ ہندوستان میں مسلم سلاطین نے وقف نامے جاری کرنے کے ساتھ اوقاف کو مستحکم کیا اور ان سے براہ راست عوام کو فائدہ پہنچایا۔موجودہ دور میں ہندوستان میں سب سے زیادہ آراضی ریلوے کے بعد وقف کی ہے۔اس کا سہرا سلطنتِ مغلیہ کے سر جاتا ہے۔مغل حکمرانوں نے ہندوستان کے اکثر مرکزی مقامات پر نئی اور عظیم الشان مساجد تعمیر کرائیں اور مدارس قائم کیے ۔ان میں درس وتدریس کا فریضہ انجام دینے والوں کو شاہی خزانے سے تنخواہ دی جاتی تھی۔ان وظائف کو اس دور میں 'مدد معاش' کا نام دیا جاتا تھا۔مغل حکمراں صرف مسلم علماء فضلاء کو ہی نہیں نوازتے تھے، بلکہ ہندو فضلاء بھی اس سے مستفید ہوتے تھے۔[۲۳]

موجودہ دور میں سماجی فلاح اور خدمت خلق کے حوالے سے بین الاقوامی ادارہ U.N.O سرگرم ہے۔اس کی متعدد شاخیں فلاح انسانیت کے لیے کام کررہی ہیں ۔اس کے باوجود انسانیت کا بیشتر طبقہ غربت وافلاس اور تنگ دستی کی زندگی بسر کررہا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا فائدہ براہ راست انسانیت کو نہیں پہنچ رہا ہے ۔اسلام نے رفاہِ عامہ اور خدمتِ خلق کا جو تصور آج سے چودہ سو سال قبل پیش کیا تھا وہ انسانوں کے درمیان دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کو روکنے پر قادر ہے۔بس ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کو عملاً دنیا میں نافذ اور قائم کرنے کی کوشش کی جائے۔

## حواشی ومراجع


۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، داراحیاء التراث العربی، بیروت، ج۱ص۳۰
۲۔ ابن عطیہ اندلسی، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دارالکتب العلمیۃ،۱۴۲۲ھ، ج۵،ص۵۲۵
۳۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ناشران وتاجران کتب لاہور،۲۰۰۶ء، ج۱ص۱۰۹
۴۔ ابوعبداللہ الحاکم، المستدرک علی الصحیحین، دارالمعرفۃ بیروت لبنان، ج۲،ص۵۵۴
۵۔ صحیح البخاری، باب کان بدء الوحی
۶۔ صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقۃ
۷۔ صحیح الترغیب والترہیب، ج۲، حدیث نمبر۲۶۲۳۔
۸۔ مشکاۃ المصابیح، کتاب الآداب، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق
۹۔ سنن ترمذی، ابواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی رحمۃ المسلمین
۱۰۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب فضل عیادۃ المریض
۱۱۔ مولانا اشرف علی تھانوی، مختصر ترجمہ قرآن، ص۲۳۷
۱۲۔ شوکانی، نیل الاوطار شرح منتقی الاخیار، مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی، ج۴،ص۱۹۰
۱۳۔ مولانا اشرف علی تھانوی مختصر ترجمۂ قرآن، ص۲۳۷
۱۴۔ نیل الاوطار، ج۴،ص۱۷۷
۱۵۔ مختصر ترجمہ قرآن، ص۲۳۷
۱۶۔ معارف القرآن، ج۴،ص۱۷۶
۱۷۔ حوالۂ سابق، ج۴،ص۱۷۹
۱۸۔ محمود حسن عارف، (ڈاکٹر) اسلام کا قانون وقف مع تاریخ مسلم اوقاف، مرکز تحقیق، دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور،۱۹۹۴ء،ص۲۱۶
۱۹۔ صحیح البخاری، کتاب الوصایا، باب اذا وقف ارضاً ولم بین الحدود فھو جائز
۲۰۔ صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب الشروط فی الوقف
۲۱۔ اسلام کا قانون وقف مع تاریخ مسلم اوقاف،۲۲۵۔۲۲۶
۲۲۔ حوالہ سابق، ص۲۳۴
۲۳۔ حوالہ سابق، ص۲۳۹۔۲۴۱
۲۴۔ سنن ابی داوٗد، کتاب الزکاۃ، باب مایجوز فیہ المسألۃ

سیر و سوانح

# شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی خدمات

—————— مولانا سید جلال الدین عمری

''تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، مولانا سید احمد عروج قادریؒ کی مشہور تصنیف ہے، جو ۱۹۵۱ء میں شاد بک ڈپو پٹنہ سے شائع ہوئی تھی۔ ان دنوں مولانا مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں استاد تھے۔ اس کے بعد دوبارہ اس کی طباعت کی نوبت نہیں آئی۔ چند برس قبل مولانا عمری نے اس کے طبع نو کی خواہش کی۔ چنانچہ کتاب کا ایک نسخہ حاصل کیا گیا۔ اس کی کمپوزنگ کروائی گئی۔ کتاب میں موجود طویل فارسی اقتباسات کا اردو ترجمہ کروایا گیا۔ آخر میں مولانا عمری نے اس پر ایک مختصر مقدمہ بھی تحریر فرما دیا تھا۔ بعض اسباب سے یہ کتاب اب تک طبع نہیں ہوسکی ہے۔ ذیل میں مولانا کی تحریر شائع کی جا رہی ہے۔'' (مدیر)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۹۵۸-۱۰۵۲ھ/۱۵۵۱-۱۶۴۲ء) برصغیر کی علمی، دینی اور اصلاحی تاریخ کا ایک نمایاں نام ہے۔ انھوں نے چورانوے (۹۴) سال کی طویل عمر پائی اور اکبر، جہاں گیر اور شاہ جہاں کا عہد اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اکبر اپنے ابتدائی دور میں دینی رجحان رکھتا تھا اور شریعت کا کسی درجہ میں پابند بھی تھا، لیکن وقت کے علمائے سوء اور ان کے باہمی نزاعات نے اسے دین سے متنفر کردیا اور وہ برملا دین اور اس کی تعلیمات کا مذاق اڑانے لگا۔ درباری علماء اس کے ہر غلط اقدام کی تائید کرتے، بلکہ اسے مزید مخالفِ دین اقدامات پر آمادہ کرتے، یہاں تک کہ دربار میں اسے سجدے کا جواز فراہم کیا گیا۔ اس نے دینِ الٰہی کا فتنہ کھڑا کیا۔ اس کی بھی حمایت کی گئی۔

اکبر کے بعد جہاں گیر کے دور میں اس فتنہ کا زور ٹوٹا، لیکن جو بگاڑ اور فساد پھیلا تھا، ماحول اس کی گرفت سے پوری طرح نہیں نکل سکا۔

تصوف، جسے تزکیہ اور اور اصلاحِ باطن کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، شریعت اور طریقت میں منقسم ہوگیا۔ اس کے حاملین نے اس کی روح ختم کردی۔ وحدت الوجود وحدت الشہود، مشاہدۂ حق اور مکاشفۂ غیب جیسے غیر ضروری مباحث پر علمی توانائیاں صرف ہونے لگیں۔

شیخ کے دور میں مہدوی تحریک عروج پر تھی، جس کی زد عقیدۂ ختم نبوت پر پڑتی تھی، لیکن اس کا اثر شمالی ہند میں کم تھا۔

فقہ اسلامی پر اس قدر زور تھا کہ براہِ راست کتاب وسنت کی طرف توجہ نہ تھی۔ کتاب وسنت نے زندگی کی اصلاح وتعمیر کے لیے جو ہدایات دی ہیں ان سے استفادہ کی جگہ فقہی جزئیات میں انہماک تھا۔

شیخ نے کتاب وسنت کے درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا، جس سے استفادہ کا دائرہ وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ ان کے بعد ان کے صاحب زادے شیخ نور الحق اور دوسرے صاحب زادوں نے اسے جاری رکھا۔ تقریباً نصف صدی تک اس چشمۂ علم سے ہزارہا افراد فیض یاب ہوتے رہے۔ دوسری طرف شیخ نے تصنیف وتالیف کو اشاعت دین کا ذریعہ بنایا اور بڑا علمی ذخیرہ چھوڑا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، تاریخ، تصوف وسلوک، شاید ہی کوئی دینی موضوع ہو جس پر ان کی چھوٹی بڑی تحریر نہ ہو۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اور شیخ عبد الحق دہلویؒ معاصر ہیں۔ دونوں میں قریبی تعلقات تھے اور ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ دونوں اصلاحِ حال کے لیے فکر مند تھے۔ مجدد الف ثانیؒ نے اس کے لیے عزیمت کا ثبوت دیا، صعوبتیں برداشت کیں۔ شیخ نے بہت خاموشی سے احیائے کتاب وسنت کی سعی کی۔ مولانا سید احمد قادریؒ فرماتے ہیں:

''امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے جہاں گیر کے عہد میں محدث دہلوی سے

زیادہ مجاہدانہ عزم وجوش سے یہ خدمت انجام دی۔حضرت مجدد کے مکتوبات پڑھیے، پھر حضرت شیخ کے مکاتیب ورسائل کا مطالعہ کیجیے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک طرف اقامتِ سنت اور رد بدعات کا پرجوش سمندر ہے جو ٹھاٹھیں مار رہا ہے اور دوسری طرف آہستہ خرام جوئے آب ہے جو ہولے ہولے بہہ رہی ہے۔راقم الحروف کے لیے حضرت مجدد کے مکتوبات اور حضرت شیخ کی تصنیفات دونوں ہی سرمایۂ سعادت ہیں۔''

تجدید دین اور احیائے سنت کے لیے حضرت مجدد الف ثانی نے جو پرعزم جد وجہد اور کاوش کی وہ اسلامی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔اس پر خاصا مواد موجود ہے۔لیکن حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ کی مساعی کی طرف وہ توجہ نہیں ہوئی جس کے وہ مستحق ہیں۔حیرت ہوتی ہے کہ ان کی سوانح حیات اور علمی اور دینی خدمات پر ان کے عہد کی یا ان سے قریبی عہد کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے۔ایک طویل عرصہ کے بعد، بلکہ بقول مولانا سید احمد دہلوی تین سوا تین سو برس کے بعد مولانا سید احمد عروج قادری کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ شیخ کا جامع تذکرہ مرتب کریں۔

مولانا سید احمد عروج قادریؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس تذکرہ میں وہی باتیں لکھی ہیں جو تاریخی حیثیت سے مستند ہیں، یا خود شیخ کی تصنیفات سے ثابت ہیں۔حضرت شیخ کے عہد میں مغلیہ دور کے ممتاز مورخین موجود تھے، اس لیے راقم نے کوشش کی ہے کہ معاصر مورخین اور تذکرہ نگاروں کی تحریروں سے زیادہ کام لے، ویسے شیخ نے خود اپنے حالات اپنی تصانیف میں اس قدر لکھے ہیں کہ ان سے ان کی خودنوشت سوانح عمری مرتب ہوسکتی ہے۔

اس طرح یہ شیخ کا ایک جامع ومستند تذکرہ ہے، لیکن کوئی بھی علمی کوشش حرف آخر نہیں ہوتی۔اس میں مزید تحقیق کی گنجائش رہتی ہے۔

شیخ کے تمام خیالات سے اتفاق ضروری نہیں ہے۔کتاب وسنت کی روشنی میں ان سے اختلاف کی گنجائش ہے۔مولانا سید احمد عروج قادریؒ کے ہاں احتیاط کا پہلو غالب ہے۔انہوں نے شیخ کے خیالات سے کم ہی اختلاف کیا ہے، بلکہ ایک طرح سے

تائید ہی کی ہے۔

مولانا سید احمد قادریؒ تصوف کے کوچہ کے راہی ہیں۔ اس کے کم زور اور مفید پہلوؤں پر ان کی نظر ہے۔اس میں خلاف سنت جو اعمال واشغال شامل ہوگئے ہیں ان سے وہ اچھی طرح واقف ہیں۔ ان کی کتاب 'اسلامی تصوف' کتاب وسنت کی روشنی میں اپنے موضوع پر نفیس اور عمدہ کوشش ہے۔ اسی طرح انہوں نے اپنے مضامین میں غیر اسلامی تصوف پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ جو 'تصوف اور اہل تصوف' کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔لیکن انہوں نے تصوف کے سلسلے میں شیخ کی بعض کم زور رایوں سے بھی اختلاف نہیں کیا ہے۔

تذکرۂ شیخ عبدالحق میں بہ کثرت فارسی اقتباسات ہیں۔آج کل فارسی سے واقفیت کم ہوگئی ہے اس لیے ان کے ترجمہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ ضرورت معروف فارسی ادیب ڈاکٹر تنویر احمد نعمانی، سابق استاذ فارسی منٹو سرکل (S.T.ہائی اسکول) علی گڑھ نے پوری کی ہے۔انہوں نے فارسی عبارتوں کو باقی رکھتے ہوئے ان کا ترجمہ کیا ہے۔اس خدمت کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

مولانا سید احمد عروج قادریؒ نے یہ کتاب ۲۹/رجب المرجب ۱۳۶۸ھ (۲۷/مئی ۱۹۴۹ء) میں مکمل کی اور شائع ہوئی۔اس لحاظ سے یہ شیخ پر پہلی سوانح تھی۔اس کے پندرہ برس بعد پروفیسر خلیق احمد نظامی کی 'حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی' ندوۃ المصنفین سے ۱۹۶۴ء میں شائع ہوئی۔ جس وقت نظامی صاحب نے یہ کتاب لکھی، وہ شعبۂ تاریخ مسلم یونی ورسٹی میں لکچرر تھے۔ بعد میں وہ صدر شعبہ اور ڈین بھی ہوئے۔ پروفیسر نظامی معروف مؤرخ اور مانے ہوئے صاحبِ علم ہیں اور جس موضوع پر بھی انہوں نے قلم اٹھایا ہے، اس کے اصل مآخذ پر ان کی وسیع نظر ہوتی ہے۔لیکن انہوں نے حضرت مولانا سید احمد عروج قادریؒ کے 'تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ' کا اپنی کتاب میں ذکر تک نہیں کیا ہے۔ مولانا سید احمد عروج قادریؒ کو اس کا احساس تھا۔انہوں نے راقم سے ایک سے زیادہ مرتبہ کہا کہ 'تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی' نظامی صاحب کے پیش نظر رہی ہے۔

اس کی عبارتیں تک انہوں نے اپنی کتاب میں نقل کی ہیں، لیکن کسی مصلحت سے اس کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ یہ بات درست ہے تو یہی کہا جاسکتا ہے کہ یہ نظامی صاحب کے شایانِ شان نہیں ہے۔

نظامی صاحب کی کتاب زیادہ مفصل ہے۔اس میں بعض نئے مباحث بھی ہیں، لیکن انہوں نے بھی کتاب ایک عقیدت مند کی طرح لکھی ہے۔ ہر بات کا دفاع کیاہے۔کتاب وسنت کی روشنی میں تحقیق وتجزیہ نہیں ہے۔ بہر حال ان دونوں کتابوں سے شیخ کی سوانح حیات اوران کی علمی اور اصلاحی خدمات سے بہتر واقفیت ہوتی ہے۔ اس طرح یہ ہماری تاریخ کی ایک بڑی کمی پوری کرتی ہیں۔


# توحید اور قیامِ عدل

## مولانا محمد جرجیس کریمی

عقیدۂ توحید اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے، جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم، توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایمان نہ لانے سے وہ بدنظمی، بے اعتدالی اور فساد کا شکار ہو جاتی ہے۔

پیش نظر کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے، جن میں عقیدۂ توحید کی وضاحت کی گئی ہے ، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال وتوازن کے اثرات بیان کیے گئے ہیں، نیز عقیدۂ توحید سے محرومی اور شرک والحاد میں آلودگی کے نقصانات اور افکار وخیالات پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ لیا گیا ہے۔ صفحات:۹۲ قیمت: ۵۰/روپے

ملنے کا پتہ:

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، نئی دہلی۔110025

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ۔202002

## تعارف وتبصرہ

### خطباتِ شبلی (نو دریافت) مرتب: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی

ناشر: دارالمصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ، سنۂ اشاعت: ۲۰۲۱ء، صفحات: ۱۴۸، قیمت: ۱۶۰/روپے

علامہ شبلی نعمانیؒ (۱۸۵۷-۱۹۱۴ء) کا شمار نابغۂ روزگار شخصیات میں ہوتا ہے۔ وہ ناقد، شارح، مؤرخ، سیرت وسوانح نگار اور انشاء پرداز ہونے کے ساتھ بہترین مقرر اور خطیب بھی تھے۔ ان کو تقریر وخطابت کا خداداد ملکہ حاصل تھا۔ ان کی تقریروں میں زورِ بیان، معلومات اور علمیت کی شان پائی جاتی ہے۔ ان کے خطبات کا ایک مجموعہ 'خطباتِ شبلی' کے نام سے مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مرتب کرکے دارالمصنفین اعظم گڑھ سے شائع کیا تھا۔ اُس میں علمی، مذہبی، اور سماجی موضوعات پر پندرہ خطبات شامل ہیں۔ بعد میں ماہر شبلیات ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی کو تلاش وتحقیق سے بہت سی ایسی تقریریں اور خطبات ملے جو اس مجموعے میں شامل نہیں تھے۔ انھوں نے انہیں جمع کرکے یکجا کردیا ہے اور اس کا نام 'خطباتِ شبلی (نودریافت)' رکھا ہے۔ حسن اتفاق کہ ان خطبات کی تعداد بھی پندرہ ہے۔

علامہ شبلی نعمانی علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، انجمن حمایتِ اسلام لاہور اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اجلاسوں میں بڑے اہتمام سے شریک ہوتے اور تعلیمی موضوعات پر خطاب کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ علمی دانش گاہوں اور مجالس میں شریک ہوتے اور کسی خاص موضوع پر اظہارِ خیال فرماتے تھے۔ زیرِ مطالعہ کتاب میں ان کی تقریروں اور خطبات کا موضوع تعلیم، فارسی زبان وادب، علم کلام، ندوۃ العلماء کی ضرورت، ختم نبوت، تصوف اور عورت اور اسلام وغیرہ ہیں۔ غرض نودریافت خطبات کے موضوعات میں بڑا تنوع اور جامعیت پائی جاتی ہے۔

پہلے خطبے کا عنوان 'تہنیت' ہے۔ اسے علامہ شبلی نے سرسید کے صاحب زادے سید محمود کے الٰہ آباد ہائی کورٹ کے پہلے ہندوستانی جج ہونے کے اعزاز میں اہل اعظم گڑھ کی جانب سے منعقدہ ایک تہنتی جلسہ میں پیش کیا تھا۔ اس میں انھوں نے مسلمانوں کے

لیے عصری تعلیم میں آگے بڑھنے کی ضرورت کا اظہار کیا ہے۔ دوسرا خطبہ 'اعلیٰ تعلیم کی ضرورت' پر ہے۔ تعلیم شبلی کا خاص موضوع ہے۔ وہ مشرقی علوم کے ساتھ مغربی علوم میں اعلیٰ تعلیم کے حامی تھے۔ اصلاً یہ ایک رزولیوشن کی تائیدی تقریر ہے۔ تیسرا خطبہ 'مغربی علوم وفنون' اور چوتھا خطبہ 'اعلیٰ تعلیم یا ادنیٰ تعلیم' کے موضوعات پر ہے۔ دونوں خطبے اعلیٰ تعلیم کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔ علامہ شبلی کے پیش کردہ رزولیوشن پر سرسید نے تائیدی تقریر کی تھی۔ اہمیت کے پیش نظر اسے بھی درج کر دیا گیا ہے۔ پانچویں خطبے کا موضوع 'الاسلام (مذہب انسان کی فطرت میں شامل ہے)' ہے۔ اس میں انسان کے لیے مذہب کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ جدید مفکرین کے اقوال کے ساتھ قرآنی آیات سے استدلال کر کے ثابت کیا گیا ہے کہ مذہب ہر شخص کی فطرت میں داخل ہے اور انسانوں کی ہر طرح کی ترقی مذہب سے جڑی ہوئی ہے۔ چھٹا خطبہ 'فارسی زبان وادب کی اہمیت' کے موضوع پر ہے۔ یہ خطبہ اس موقع پر دیا گیا تھا جب الٰہ آباد یونی ورسٹی کے تعلیمی کورس سے فارسی کو خارج کر دیا گیا تھا۔ ساتویں خطبہ میں علم کلام کی تعریف، اقسام، ابتدا، ضرورت وغیرہ پر تفصیل سے اظہار کیا گیا ہے۔ آٹھواں خطبہ 'ندوۃ العلماء کی ضرورت' کے موضوع پر ہے۔ اس میں علوم قدیمہ کے ساتھ علوم جدیدہ کو سیکھنے اور اس کو نصاب میں شامل کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ نواں خطبہ 'ختم نبوت' پر ہے۔ اس میں قرآن کی آیت 'مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ' (الاحزاب:۴۰) کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ دسواں خطبہ 'تعلیم وتربیت' کے موضوع پر ہے۔ اس میں ان تعلیم یافتہ حضرات کو مخاطب کیا گیا ہے جو ہر بات میں مغربی تہذیب اور مغربی علوم کو فائق سمجھتے ہیں۔ علامہ شبلی نے فرمایا ہے کہ اسلامی تاریخ میں ہر فن میں لائق افراد گزرے ہیں۔ گیارہویں خطبہ کا موضوع 'تصوف' ہے۔ بارہواں خطبہ 'جبری ابتدائی تعلیم بل کی افادیت' بیان کرتا ہے۔ تیرہواں خطبہ 'عورت اور اسلام' کے موضوع پر ہے۔ اس میں اسلام میں عورت کی حیثیت اور ہندوستان کے مغلیہ دور میں عورتوں کی علمی سرگرمیوں پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ چودھواں خطبہ مدرسہ انوار العلوم حیدرآباد کے معاینے کے بعد کی گئی تقریر

ہے اور پندرہواں خطبۂ تہنیت' پر مشتمل ہے۔غرض یہ تمام خطبات علوم ومعارف کا گنجینہ اورادب وانشا کا بہترین نمونہ ہیں۔

ان خطبات کا زمانہ کافی پہلے کا ہے،لیکن ان میں جو باتیں کہی گئی ہیں اور مسائل کے جوحل پیش کیے گئے ہیں وہ موجودہ دور میں بھی رہ نمائی کا وافر سامان رکھتے ہیں۔ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آج مسلمانوں کے اندر قدیم اور جدید تعلیم کا جو تیر چا ہے وہ ان ہی اکابر کی محنتوں کا ثمرہ ہے۔ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ان خطبات کو جمع کیا،ان پر قیمتی حواشی تحریر کیے اوران کے پس منظر سے آگاہ کیا،آیات واحادیث کی تخریج کے ساتھ شخصیات و واقعات کا ذکر کیا اوران سب کو مستند حوالوں سے مزین کیا۔

کتاب کی طباعت عمدہ ہے، البتہ بعض فنی خامیاں رہ گئی ہیں۔کہیں کہیں املا اور پروف کی غلطیاں پائی جاتی ہیں۔کتاب کا نام پہلے صفحہ سے آخری صفحہ تک ہر جگہ جلی حرفوں میں ہے۔ابتدائی صفحات میں اسے نہیں ہونا چاہیے۔ہر خطبے کا نمبر اس کے عنوان کے اوپر یا نیچے جلی حرفوں میں رہنا چاہیے۔کتاب کی قیمت ایک جگہ ۱۶۰/اور دوسری جگہ ۱۵۰/درج ہے،دونوں جگہ یکساں ہونا چاہیے۔

یہ کتاب شائقین اور وابستگانِ شبلیؒ کے لیے ایک نادر تحفہ ہے۔امید ہے کہ علمی حلقوں میں اس سے بھرپور استفادہ کیا جائے گا۔ (عبدالحی اثری)

## علمائے کشمیر کی دینی وعلمی خدمات (جلد اول) ابوعمر خاکی محمد فاروق

ناشر: مکتبہ اسلامیہ،نوگام،سری نگر،جموں وکشمیر،سنۂ اشاعت:۲۰۲۳ء،صفحات:۵۷۲، قیمت:۷۰۰روپے

سوانح نگاری تاریخ نویسی کا ایک اہم باب ہے۔مسلمانوں نے اس فن پر خصوصی توجہ دی ہے۔اس اعتبار سے ہندوستانی مصنفین میں مولانا عبدالحئ حسنیؒ کی 'نزہۃ الخواطر' کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔زیرِ تبصرہ کتاب اسی سلسلے کی ایک اہم کڑی ہے۔اس میں آٹھویں صدی ہجری سے ۲۰۲۲ء تک وفات پانے والے تین سوتیس (۳۳۰)

علمائے کشمیر کی دینی، علمی، فکری اور دعوتی خدمات کو اجاگر کیا گیا ہے۔ کتاب کی ابتدا آٹھویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت سید عبدالرحمٰن معروف بہ بلبل شاہؒ سے ہوتی ہے۔ اس میں وہ علماء بھی شامل ہیں جن کے آباء واجداد کشمیر میں سکونت پذیر تھے، لیکن بعد میں کسی سبب کی بنا پر انھوں نے وہاں سے ہجرت کرلی اور وہ بھی جو دوسرے علاقوں کے رہنے والے تھے، لیکن انھوں نے زندگی کا ایک معتد بہ حصہ کشمیر کی وادیوں میں صدائے اسلام بلند کرتے ہوئے گزارا۔

جناب خاکی محمد فاروق کشمیر کے ایک معروف مصنف ہیں۔ ان کی تقریباً تین درجن کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، جن میں دو جلدوں میں 'مجموعۂ تفاسیر' اور 'ام القرآن' (سورۂ فاتحہ) کے علاوہ 'تاریخِ دعوت وتبلیغ: جموں وکشمیر کے تناظر میں'، 'تحریکِ اسلامی کی مختصر تاریخ'، 'عاشق کاشمیری: حیات وخدمات اور شاعری'، 'کلیاتِ عاشق کاشمیری' اور 'داعیٔ اسلام حضرت شیخ نورالدین ولیؒ' قابلِ ذکر ہیں۔

کشمیر میں شروع ہی سے بڑے بڑے علماء، صلحاء، فضلاء، مفکرین اور محققین پیدا ہوئے ہیں۔ لیکن ان کی خدمات پر جو تصنیفات اب تک منظر عام پر آئی ہیں، ان میں اعتدال کا فقدان نظر آتا ہے۔ ان کی دعوتی، تبلیغی، علمی اور ادبی خدمات کو اجاگر کرنے کے بجائے ان کے خرقِ عادات، کشف وکرامات اور روحانی کمالات بیان کرنے پر سارا زور صرف کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں علماء ومشائخ کی طرف منسوب غیر شرعی کشف وکرامات کے بیان سے کلّی اجتناب کیا گیا ہے اور ان پہلوؤں پر توجہ دی گئی ہے جن کا تعلق علمی، دینی، فکری اور تبلیغی خدمات سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب میں اختصار کا پہلو غالب ہے۔

کتاب پر مولانا مفتی محمد اسحاق قاسمی، ڈاکٹر جوہر قدوسی اور ڈاکٹر مظفر حسین ندوی کی قیمتی تقریظات ہیں، جن میں کتاب کے نمایاں پہلوؤں اور خوبیوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔ کتاب میں ترتیبِ زمانی کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ قارئین کی معلومات کے لیے حواشی کا اہتمام کیا گیا ہے، لیکن فنی اعتبار سے یہ کمی محسوس ہوئی کہ ان حواشی میں صرف

کتاب کا نام ذکر کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، مصنف، جلد، صفحات، سنہ اشاعت وغیرہ کا ذکر نہیں ہے۔ کتاب کے آخر میں فہرستِ منابع و مآخذ کے عنوان سے تقریباً ۱۶۶/ کتابوں اور ۱۵/ جرائد کے نام درج ہیں۔ یہاں مصنفین کے نام مذکور ہیں، لیکن دیگر تفصیلات یہاں بھی درج نہیں۔

یہ کتاب علمائے کشمیر کی تاریخ اور ان کی علمی و دینی خدمات کو اختصار کے ساتھ اجاگر کرنے کی کام یاب کوشش ہے۔ تاریخ کے طالب علموں کے لیے اس میں بیش بہا مواد موجود ہے۔ امید ہے، علمی حلقوں میں اسے مقبولیت حاصل ہوگی۔

(محمد صادر ندوی)

**بزمِ رفتہ (مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلیؒ کی وفیاتی تحریریں)** مرتّب: محمد اویس سنبھلی
مطبوعہ: نعمانی پرنٹنگ پریس، لکھنؤ، سنۂ اشاعت: ۲۰۲۳ء، صفحات: ۲۸۰، قیمت: ۳۲۰/روپے

وفیات نگاری اردو رسائل کا اہم کالم رہا ہے۔ اس میں مذہبی، سیاسی، سماجی اور ملّی شخصیات کے تذکرے قلم بند کیے جاتے رہے ہیں، جو نسلِ نو کے لیے مشعلِ راہ کا کام کرتے ہیں۔ وفیاتی تحریروں کے متعدد مجموعے منصۂ شہود پر آئے ہیں۔ ان میں دار المصنفین کے مصنفین کے مجموعے 'یادِ رفتگاں' (سید سلیمان ندوی)، 'بزمِ رفتگان' (سید صباح الدین عبدالرحمٰن) اور 'کاروانِ رفتگاں' (مولانا مجیب اللہ ندویؒ) خاصے مقبول ہوئے۔

زیرِ نظر کتاب 'بزمِ رفتہ' ماہ نامہ الفرقان لکھنؤ اور ہفت روزہ ندائے ملت لکھنؤ میں مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلیؒ کے اشہبِ قلم سے لکھی جانے والی تعزیتی تحریروں کا مجموعہ ہے۔ مرحوم علمی دنیا کے لیے محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ آپ مصنف، صاحب طرز صحافی اور مفسرِ قرآن کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ اپنے والد ماجد مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی حیات میں ہی 'الفرقان' کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی، ساتھ ہی ہفت روزہ ندائے ملت لکھنؤ کو کام یابی سے نکالا۔ آپ نے اپنی تحریروں کے ذریعہ ملّت کے تنِ مردہ میں روح پھونکنے کا کام کیا۔ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل پر آپ کے اداریے 'راستے کی تلاش' کے عنوان سے شائع ہوئے ہیں۔ آپ دلِ دردمند اور فکرِ ارجمند کے مالک تھے۔ متعدد علمی کتابوں

کے علاوہ آپ کی ناتمام تفسیر 'محفل قرآن' (جس کی صرف چھ جلدیں ہی شائع ہوسکیں) علمی دنیا میں شہرت رکھتی ہے۔

زیر تبصرہ کتاب میں باسٹھ (۶۲) شخصیات کے تذکرے شامل ہیں۔ ان میں ملکی اور بین الاقوامی سطح کی مذہبی، سیاسی اور سلوک وطریقت سے وابستہ ہستیاں بھی ہیں، مثلاً سلطان عبد العزیز بن سعودؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، شاہ فیصلؒ، ڈاکٹر ذاکر حسینؒ، یاسر عرفاتؒ، مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ، مولانا سید اسعد مدنیؒ اور مولانا محمد منظور نعمانیؒ وغیرہ۔ تذکرے میں اُن شخصیات کے مشن، کارناموں اور زندگی کے سبق آموز پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ہر تذکرے میں ایجاز واختصار سے کام لیا گیا ہے۔ تحریر مقصدیت سے پُر، بے جا مدح اور عقیدت مندانہ لب ولہجہ سے خالی ہے۔ کسی شخصیت سے اپنے علمی وفکری اختلاف کو بھی خوب صورت اور شائستہ اسلوب میں قلم بند کیا ہے۔ ڈاکٹر ذاکر حسینؒ اور مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے ذکرِ خیر میں اسے ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ وفیات کا تذکرہ ترتیب وار ہے۔ ولادت ووفات کے سنین نام کے نیچے ہی درج کردیے گئے ہیں۔ جو تحریر جہاں سے لی گئی ہے، اخیر میں اس کا حوالہ بھی دے دیا گیا ہے۔

اس مجموعے کو مولانا محمد اویس سنبھلی نے مرتّب کیا ہے۔ موصوف اپنی علمی تحریروں کی وجہ سے اردو حلقے میں پہچان بنا چکے ہیں۔ کتاب میں ان کا مبسوط پیش نامہ ان کے علم وفکر کی وسعت کا غماز ہے۔ اس میں انھوں نے فنِ وفیات نگاری، اردو رسائل میں اس کا آغاز اور وفیات کے مجموعوں پر علمی گفتگو کی ہے۔ انھوں نے مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلیؒ کا جامع سوانحی خاکہ شاملِ کتاب کیا ہے، جس میں مولانا مرحوم کی علمی وفکری زندگی کے روشن واقعات سمودیے ہیں۔

مجموعی طور پر یہ کتاب علمی، سماجی اور سیاسی شخصیات کی زندگیوں کا خوب صورت مرقّع ہے۔ اس کا مطالعہ قارئین کے لیے دل چسپی کا باعث ہوگا۔

(محمد انس مدنی)

# خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی (۸۸)

☆ **مولانا محمد فاروق خاں کی وفات:** علمی و دینی حلقوں میں، خاص طور پر ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی کے وابستگان و منتسبین کے درمیان یہ خبر بہت رنج وافسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ معروف مترجم ومفسّر قرآن، مصنّف اور ہندی اسکالر مولانا محمد فاروق خاں کا ۲۸/جون ۲۰۲۳ء کی سہ پہر انتقال ہوگیا۔ وہ نوّے برس کے تھے۔ وہ ادارۂ تحقیق کے بنیادی ارکان میں سے تھے۔ ایک عرصہ تک اس کے صدر بھی رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں جنّت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔

☆ **صدرِادارہ کی دوکتابوں کی اشاعت:** اصلاحِ معاشرہ پر صدرِادارہ مولانا محمد رضی الاسلام ندوی کے چھ کتابچوں کا مجموعہ اب مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی سے 'اسلام کا مثالی خاندان: دل نشیں اصلاحی مضامین کا مجموعہ' کے نام سے شائع ہوگیا ہے۔ اس میں نکاح، خوش گوار خاندان، خاندانی تنازعات کا ازالہ، طلاق وخلع اور خواتین کی وراثت جیسے موضوعات شامل ہیں۔ صفحات: ۱۶۸، قیمت: ۱۲۵/روپے۔ دوسرے کتابچہ کا عنوان ہے: 'مولانا مودودی کی فقہی بصیرت (رسائل ومسائل کے حوالے سے)'۔ اس کی اشاعت وہائٹ ڈاٹ پبلشرز، نئی دہلی سے ہوئی ہے۔ صفحات: ۳۲، قیمت: ۴۰/روپے۔

☆ **سمینار کے مجموعۂ مقالات کی اشاعت:** ادارہ میں مارچ ۲۰۲۰ء میں 'عصر حاضر میں اسلام کو درپیش چیلنجز' کے مرکزی موضوع پر سمینار منعقد ہوا تھا۔ اس کے مجموعۂ مقالات کا اجرا ۲۹/اپریل ۲۰۲۳ء کو مرکز جماعت اسلامی ہند میں مجلس نمائندگان کے اجلاس میں جناب سید سعادت اللہ حسینی امیر جماعت اسلامی ہند اور دیگر ذمے داران کے ہاتھوں ہوا۔ اس میں خطبۂ استقبالیہ، کلیدی خطبہ، صدارتی خطبہ اور رودادِ سمینار کے علاوہ اکیس (۲۱) مقالات شامل ہیں۔ صفحات: ۳۶۰، قیمت: ۳۵۰/روپے۔

☆ اسکالرس ادارہ کا سمینار: ۱۵/مئی ۲۰۲۳ء کو ادارہ میں ملک میں جاری نئی بحث 'فتنہ ارتداد: اسباب وتدارک' پر سمینار کا انعقاد ہوا۔ اس میں ادارہ کے زیر تربیت اسکالرس نے حصہ لیا۔ محمد صادر ندوی نے 'فکری انحرافات: ارتداد کا پہلا دروازہ'، سالم فاروق ندوی نے 'ارتداد کے اسباب ومحرکات'، محمد رویس خان نے 'ارتداد کا بڑھتا رجحان: انسداد کے طریقے' اور سالم برجیس ندوی نے 'ارتداد: مفہوم، اقسام اور کرنے کے کام' پر اپنے مقالات پیش کیے۔ صدرِمجلس مولانا محمد انس فلاحی مدنی نے مقالات کی عمدہ پیش کش پر مبارک باد دی۔ انہوں نے فرمایا کہ جہاں

ایک طرف فتنہ ارتداد کی خبریں گردش میں ہیں، وہیں قبولِ اسلام کے واقعات ہمارے لیے اطمینان کا باعث ہیں۔ اس وقت ہمارے لیے سب سے بڑا چیلنج فکری انحراف ہے۔ ہماری اصل توجہ اسی پر ہونی چاہیے۔ اخیر میں امتیازی پوزیشن حاصل کرنے والے مقالہ نگاروں کے لیے تشجیعی انعامات کا اعلان کیا گیا۔ اس موقع پر سکریٹری ادارہ مولانا اشہد جمال ندوی، معاون سکریٹری انجینئر آفتاب حسن مظہری اور خازنِ ادارہ انجینئر نسیم احمد خاں نے بھی اظہارِ خیال کیا۔

☆**علمی نشستیں**: ۶؍جون ۲۰۲۳ء کو پروفیسر محمد ادریس کے ساتھ ارکانِ ادارہ کی نشست ہوئی۔ موصوف نے اپنی گفتگو میں موجودہ دور میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نت نئے فتنوں کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمیں کسی بھی صورت میں اپنی تہذیب اور ثقافت سے سودا نہیں کرنا ہے۔ ۸؍جون ۲۰۲۳ء کو پروفیسر ظفر الاسلام اصلاحی کے ساتھ اسکالرس کی نشست منعقد ہوئی۔ موصوف نے علامہ فراہیؒ کی شخصیت اور ان کی کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ نے ان کی فکر کی ترویج کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ انہوں نے مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ کی شخصیت پر بھی گفتگو کی اور ان کی کتابوں کی طرف رہنمائی کی۔

☆**مسابقہ مضمون نویسی 'مطالعۂ کتب مولانا سید جلال الدین عمریؒ' کے نتائج کا اعلان**: ۱۹؍اپریل ۲۰۲۳ء کو ادارہ کی جانب سے منعقدہ مسابقہ مضمون نویسی کے نتائج کا اعلان ادارہ کے خازن انجینئر نسیم احمد خاں کی صدارت میں ہوا۔ گزشتہ سال ۱۷؍اکتوبر ۲۰۲۲ء کو ادارہ کی جانب سے مولانا سید جلال الدین عمریؒ کی منتخب کتب پر اس مسابقہ کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس میں ملک کے تمام بڑے مدراس اور یونی ورسٹیوں کے طلبہ و طالبات نے حصہ لیا۔ ۱۴۸؍مضامین موصول ہوئے۔ پوزیشن ہولڈرس اور دس ممتاز طلبہ و طالبات کو انعامات اور تمام شرکاء کو ای سرٹیفکیٹ دیے گئے۔

☆**ادارہ میں اہل علم کی آمد**: ۱۶؍مئی ۲۰۲۳ء کو مولانا ولی اللہ سعیدی فلاحی نائب امیر جماعت اسلامی ہند ادارہ میں تشریف لائے۔ اس موقع پر ارکانِ ادارہ کے ساتھ ایک نشست ہوئی، جس میں موصوف نے جماعت اسلامی ہند کی فکر، منہج اور طریقۂ کار پر گفتگو کی۔ ۳۱؍مئی ۲۰۲۳ء کو مولانا مفتی صباح الدین ملک فلاحی قاسمی (استاذ فقہ، جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ) تشریف لائے۔ محققین و اسکالرز کے ساتھ منعقدہ نشست میں موصوف نے اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا کہ موجودہ حالات میں اسلامی نظام کی بحالی کے لیے مسلمانوں اور عالم اسلام کو کن چیزوں کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ضرورت ہے؟ ۱۳؍مئی ۲۰۲۳ء کو ڈاکٹر خان یاسر اکیڈمک انچارج انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز نئی دہلی ادارہ تشریف لائے۔ اس

موقع پر ایک علمی نشست منعقد کی گئی،جس میں موصوف نے 'نئے زمانے میں تحقیق کے موضوعات' پراظہارِ خیال کیا۔انہوں نے فرمایا کہ ہندوازم کا مطالعہ وقت کی بڑی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ماڈرن لٹریچر سے واقفیت لازمی ہے، قدیم لٹریچر زیادہ مفید ہوگا نہ اس کے مثبت نتائج سامنے آسکیں گے۔اس کے علاوہ خواتین کے حقوق، الحاداور ماحولیات کے موضوعات پر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ پہلے ہمارے بزرگوں نے مغرب کے تناظر میں لٹریچر تیار کیا تھا،اب ہندوستان کے تناظر میں لٹریچر تیار کرنے کی ضرورت ہے۔

☆**اسکالرادارہ کی مرکز علوم القرآن ،علی گڑھ کے مسابقہ میں شرکت**: پروفیسر خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن علی گڑھ نے فروری ۲۰۲۳ء میں 'علامہ احسان عباسیؒ کا ترجمۂ قرآن: اوصاف اور امتیازات' کے عنوان پر مسابقہ مضمون نویسی کا انعقاد کیا تھا۔ اس میں ادارہ کے اسکالر سالم برجیس ندوی نے حصہ لیا تھا۔مؤرخہ ۱۰؍مئی کو تقسیم انعامات کی تقریب منعقد ہوئی، جس میں انھیں سرٹیفکیٹ سے نوازا گیا۔

☆**صدرِ ادارہ کی آمد**:۱۵؍جون کو صدر ادارہ مولانا محمد رضی الاسلام ندوی ادارہ تشریف لائے۔ انہوں نے رفقاء واسکالرس کی علمی سرگرمیوں کا جائزہ لیا اور تحقیق اور اصولِ تحقیق سے متعلق چند اہم امور کی جانب توجہ دلائی۔

☆**تصنیفی تربیت کورس کے لیے داخلہ**:ادارہ کے دو سالہ تصنیفی تربیت کورس کے لیے امسال ۵۷؍درخواستیں موصول ہوئی تھیں۔شارٹ لسٹنگ کے لیے دومرتبہ انٹرویو لیا گیا۔آٹھ امیدواروں کا انتخاب کیا گیا تھا،جن میں سے پانچ :عمر فیاض (کشمیر)،عمر عبداللہ ندوی (میوات)، احمد رضوان ندوی (ہاپوڑ)،ندیم اختر فلاحی (مئو) اورانعام الحق قاسمی (بہار) نے ادارہ جوائن کرلیا ہے۔

☆ **میڈیا سینٹر کی رمضان سیریز**:امسال رمضان میں ادارہ کے میڈیا چینل ITTI ALIGARH پر رمضان سے متعلق احکام ومسائل پر صدر ادارہ مولانا محمد رضی الاسلام ندوی اور مولانا محمد طاہر مدنی (ناظم جامعۃ الفلاح ،اعظم گڑھ) کی ۴۰؍ویڈیوز یوٹیوب چینل اور فیس بک پر نشر کی گئیں۔

☆**مسجدِ ادارہ میں خلاصۂ تراویح کا اہتمام**:الحمد للہ امسال بھی حسبِ معمول ادارہ کی مسجد میں نماز تراویح کا اہتمام ہوا۔ ادارہ کے دو اسکالرس محمد صادر ندوی اور سالم برجیس ندوی نے خوش الحانی سے امامت کی۔ خلاصہ تفسیر ڈاکٹر ابوسعد اصلاحی (رفیق ادارۂ علوم القرآن،علی گڑھ) نے پیش کیا۔اس میں خواتین کی بھی بڑی تعداد شریک ہوئی۔

**ISSN:2321-8339**

Organ of Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Quarterly

# TAHQEEQAT-E-ISLAMI

Aligarh

Vol. 42 No.3

July - Sep. 2023

**Editor**

**Muhammad Raziul Islam Nadvi**

## Editorial Board

1- **Ml. Muhammed Farooq Khan**
Ex-Presedent Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami, Aligarh

2- **Prof. Ishtiyaq Ahmed Zilli**
Nazim Darul Musannifin Azamgarh

3- **Prof. Saud Alam Qasmi**
Dean Feculty of Theology, AMU, Aligarh

4- Prof. Israr Ahmed Khan
D/o Tafsir, University of Ankara (Turkey)

5- **Dr Muhammed Akram Nadvi**
Dean Cambridge Islamic College (UK)

6- **Ml. Ashhad Jamal Nadvi**
Secretary Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami, Aligarh

Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami

Nabi Nagar (Jamalpur)، P.O. Box: 93

ALIGARH - 202 002 (INDIA)

www.tahqeeqat.net Email: tahqeeqat@gmail.com

# CONTENTS

1. **Measures of Consolidation of a Family:**
**In the Light of the Qur'an and Hadith.** 5
*Muhammad Raziul Islam Nadvi*

2. **Ghulam Rasool Saeedi's Translation of the Qur'an And Its Comparison with His Fellow Sectarian Translations** 25
*Dr. Shakir Hussain Khan*

3. **The Concept of Sacrifice in the Bible and Qur'an** 45
*Prof. Saud Alam Qasmi*

4. **Jamaat-e-Islami and Ikhwan al-Muslimun**
**Analysis of the Aspects of Consonance and Variance** 61
*Dr. Obaidullah Fahad*

5. **Public Welfare and Islam** 93
*Dr. Zafar Darik Qasmi*

4. **The Contributions of Shaikh Abdul Haque Muhaddith Dehlavi** 107
*Maulana Syed Jalaluddin Umari*

7. **Book Reviews** 112

**Activities of Idara-e-Tahqee-o-Tasneef-e-Islami** 118

# Abstract of the Articles

## Measures of Consolidation of a Family
### (In the Light of the Qur'an and Hadith)

*Muhammad Raziul Islam Nadvi*
President Idara-e-Tahqeeq-o-Tasneef-e-Islami,Aligarh
*mrnadvi@gmail.com*

President of the Idara Dr. Muhammad Raziul Islami Nadvi addressed an online seminar on *Istehkam-i-Khandan* (Consolidation of the Family) organised by Islamic Research Academy, Karachi on 20th May 2023. The same is being published here in the form of an article.

In the present age, opines this article, such ideologies have been presented at the international level that negate the very concept of family and disintegrate its integration. While Islam is the standard-bearer of family. It declares family as essential for a better and peaceful social life. Islam sees to it that the institution of family is consolidated, and deep relationships are developed among the members of the family.

Islam has formed a family structure and enjoins all people to follow it. It has prescribed rights and duties and has ordered to keep them in view. It wants that spouses and other members of the family live a life with love and coordination, and always maintain due relationship among them. Let no one break anyone's heart and let everyone practise forgiveness. And, in every condition compromise be preferred.

If these injunctions of Islam are put into practice, a family can be consolidated. This article throws light on these aspects.

# Ghulam Rasool Saeedi's Translation of the Qur'an

### And Its Comparison with His Fellow Sectarian Translations

*Dr. Shakir Hussain Khan*

Department of Islamic Learning, University of Karachi

shakirhussaink24@gmail.com

The Qur'an is the last book of Allah. It was revealed in Arabic. It was not revealed only for the Arabs. This book has been published to guide all human beings. Therefore, a translation of the Qur'an is necessary for non-Arabs. The translation of the Qur'an into Urdu was started in the beginning of the Urdu language. So far there have been many translations of the Holy Qur'an into Urdu.

This article compares Ml. Ghulam Rasool Saeedi's translation of the Qur'an with other translations. It proves that these translations are an extension of the Qur'anic thought of the Barelvi School. They are often matched with professional translation at many places. The Barelvi School has original translations of the Qur'an by Maulana Ahmad Raza Khan Barelvi and Allama Syed Mohammad Kachochvi.

This article is unique in its investigation of Allama Ghulam Rasool Saeedi's translations of the Qur'an. It emphasises that the reading of the Qur'an is essential for understanding of the Qur'an. It also highlights the importance of the study of translations that have a distinct identity.

# The Concept of Sacrifice in the Bible and Qur'an

*Prof. Saud Alam Qasmi*

Dept. of Theology (Sunni), Aligarh Muslim University, Aligarh

*alamsaud@yahoo.com*

All religions of the world have taught man to worship

Allah, do His remembrance, offer Him gifts and oblations, and sacrifice animals in His Name. Among them, the tradition of sacrifice is very strong in Semitic religions, viz. Judaism, Christianity and Islam, and the details of its commandments are available. A comparative study of these reveals many realities of the religious history of mankind, and lifts the curtain from the evolution of sacrifice, stage after stage. The Bible mentions the sacrifice of the sons of Hazrat Adam, Hazrat Ibraheem and Hazrat Moosa, and the Qur'an also mentions them although there is difference in details thereof. Likewise, certain rulings of sacrifice, e.g., where should sacrifice be offered? and how to use its meat? etc. also find mention in these two religious books.

This article presents a comparative study of both of them with regard to sacrifice.

# Jamaat-e-Islami and Ikhwan al-Muslimun

## Analysis of the Aspects of Consonance and Variance

*Prof. Obaidullah Fahad*

*Dept. of Islamic Studies, Aligarh Muslim*

*University Aligarh- U.P. INDIA-202002*

The two most influential and authoritative Islamic movements all over the world are deeply rooted in the Qur'an and Sunnah and meet the requirements of modern times. The two movements are closer to each other in the aims and objectives and the holistic approach to the implementation of Islam in the society. Jamaat-e-Islami in India, Pakistan, and Bangladesh produced a very rich literature in English and local languages and are powerful in their academic and intellectual activities. The Ikhwan in Egypt and in the Arab world also

produced rich literature in Arabic and has impact on the Arab especially. The two movements always avoid sectarianism, communalism, violence, and terror, and strictly adhere to constitutionalism and democracy. These movements always criticize any underground activity to be carried out for the socio-political change.

The two movements, however, differ in their methodology and approach. Jamaat-e-Islami always followed strictly the constitutional and democratic methods and there was a consensus in its followers upon the democratic methods to be adopted. The Ikhwan al-Muslimun also officially denounced all the unfair means to be adopted for Islamization of the society in its state, but unfortunately, could not control its defected group, and therefore, has been blamed by the governments for the regressive activities. The Jamaat-e-Islami is led mostly by the theologians and the madrasas graduates while the Ikhwan was led by the modern educated intelligentsia and was not apposed by the theologians of Jami-al-Azhar as the Jamaat was apposed by the scholars of the Deoband.

# Public Welfare and Islam

*Dr. Zafar Darik Qasmi*
Aligarh
zafardarik85@gmail.com

Poor and indigent persons are found in every society. It is necessary to help them and fulfil their needs. For this purpose, in Islam, there are systems of Charity, Zakat and Awqaf.

Before Islam, the concept of public welfare was there among the Arabs. Formal institutions were established for this purpose. Seerah and Hadith books reveal that there were institutions like Rifadah, Siqaya, Hijabah and Dar al-Nadwa in Arabia. Hashim, the great grandfather of the Messenger of Allah , and Abdul Muttalib, his grandfather, were well-known for their service to society. The Messenger of Allah himself used to do service to society before his prophethood.

The Qur'an and Hadith lay much emphasis on fulfilling the needs of people and extend financial help to them. Those who help the poor and needy are called the loved ones of Allah. The concept of charity is there in Islam. The Islamic system of Zakat plays an important role in strengthening the society financially. Public welfare has been undertaken at a large scale through Awqaf system. Mosques, madrasas and educational institutions have been established, and medical dispensaries and hospitals have been built. The system of Awqaf has been there in every period of Islamic history, and the wealthy people have donated large properties for public welfare.

This article presents Islamic teachings on public welfare and its importance in Islam has been highlighted.

## The Contributions of Shaikh Abdul Haque Muhaddith Dehlavi

*Maulana Syed Jalaluddin Umari*
Former President Idara Tahqeeq-o-Tasneef Islami, Aligarh

Shaikh Abdul Haque Muhaddith Dehlavi (1551-1642)

is a distinguished name in the academic and religious history and that of reformist movement in the Indian subcontinent. Many mischiefs, trials and tribulations raised their heads in his age. He nipped them in the bud. He purged the religion of Islam of the corrupt practices that had crept therein, popularised the teachings of the Qur'an and Sunnah, and made writing books a means of publicising Islam. His works on tafsir, hadith, jurisprudence, faith, history, sufism, etc. are available.

Maulana Syed Ahmad Urooj Quadri (d. 1986) wrote a book namely *Tazkira-i-Shaikh Abdul Haque Muhaddith Dehlavi* half a century ago, mentioning his comprehensive contributions. This article of Maulana Syed Jalaluddin Umari, which is being published here, was in fact written as Foreword to that book.

**BOOK REVIEW**

1. *Khutbat-e-Shibli-NauDaryaft,*(Sermons of Shibli(Newly Discovered), Compiled by Dr.Muhammad Ilyas Al-Azmi , Darul Musannifin Shibli Manzil Azamgarh , 2021, Pages:148,Price:IRs.160/-

Reviewed by Ml.Abdul Hai Asari

2. *Ulamae Kashmir ki Dini -o-Ilmi Khidmat* (Religious and Academic Contributions of Kashmiri Ulama) Abu Umar Khaki Muhammad Farooq ,Maktaba Islamia ,Naugam,Srinagar,J&K, 2023, Pages:572, Price:IRs.700/-

Reviewed by Maulana Mohd. Sadir Nadwi

*3.* *Bazm-e-Rafta*(Assembly of the Departed),Compiled by Ml.Muhammad Owais Sambhali , Nomani Printing Press Lucknow , 2023, Pages:280,Price:IRs.320/-

Reviewed by Ml.Muhammad Anas Madani

# نئی کتابیں 3

## اسلام کا مثالی خاندان
محمد رضی الاسلام ندوی

اس کتاب میں خوش گوار خاندان کی تشکیل اور عائلی تنازعات کے ازالے کی تدابیر پر بہت سلیس اور شگفتہ اسلوب میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

* سائز: 23X36/16 * صفحات: 168 * قیمت: 125.00

## ہندو دھرم کی بنیادی کتب
ڈاکٹر محمد احمد

اس میں ہندو مذہب کی بنیادی کتابوں کا ایک جامع اور نہایت عمدہ تعارف کرایا گیا ہے۔ اس کتاب کا خاص پہلو یہ ہے کہ اس میں ہندو مذہب کی تقریباً تمام بنیادی کتب پر سیر حاصل بحث ہوئی ہے۔

* سائز: 23X36/16 * صفحات: 168 * قیمت: 125.00

## معبود کی معرفت
ڈاکٹر محمد معظم علی

انسان کو پھر سے اونچا اٹھانے اور انسانیت کی صف میں لا کھڑا کرنے کے لیے ایمانیات کے علم کو تازہ اور اس پر یقین کو پختہ کرنے میں بہت ہی معاون کتاب ہے۔ امید ہے اس سے بھر پور استفادہ کیا جائے گا۔

* سائز: 23X36/16 * صفحات: 208 * قیمت: 150.00

Contact No. : 7290092401, 7290092405 7290092403

**MMI PUBLISHERS** مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025

**Email:** info@mmipublishers.net | mmipublishers@gmail.com | **Web:** www.mmipublishers.net

Sub Depot | **Hyderabad :** 9966710339, 9491874087, 04066710339, 8520961476 | **Mumbai :** 9699167700
**Goa :** 9987196549 | **Bangalore :** 9036996740, 8884045708, 9964355678

R.No. 38933/81
July-September-2023

Quarterly
Tahqeeqat-e-Islami
Aligarh

Mob. +91-9027445919
+91-9897746586

## New Arrival

# عصر حاضر میں اسلام کو درپیش چیلنجز

(فکر انگیز مقالات کا مجموعہ)

چند جھلکیاں:

- سیاسی وسماجی مسائل
- مسلم اقلیتیں
- خواتین کے سماجی حقوق
- رجوع الی القرآن

Scan to
Place Your Order

| | |
|---|---|
| صفحات: 360 | قیمت: 350 |

ناشر: ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر 93، علی گڑھ، یوپی، 202002
میل: idaratahqeeq2016@gmail.com

Contact: 9027445919

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، نبی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲
۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، ڈی-۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵